جلد ۱۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

استفسارات

از: **سید ابوالاعلیٰ مودودی**

ترتیب و تدوین: **اختر حجازی**

- مولانا مرحوم فہم دین کے فن کے شناور تھے ان کی مجلس سے کوئی تشنہ نہ اٹھتا تھا۔
- مولانا مرحوم سینکڑوں مجالس میں ہزاروں سوالات کے جوابات دیتے اور کوئی محروم نہ رہتا تھا۔
- مولانا کے ہزاروں معتقدین تھے جو طلب دین کیلئے ان سے رجوع کرتے تھے اور کوئی مایوس نہ لوٹتا تھا۔
- یہ خصوصیت مولانا مودودیؒ کو خداداد صلاحیت کے طور پر حاصل تھی۔
- لوگوں نے ہزاروں سوالات کیے مولانا مودودیؒ نے ہزاروں جوابات دیے
مولانا اختر حجازی صاحب کی ہمت و محنت سے کہ انھوں نے ان سوالات کو مع جوابات حاصل کر کے ایک ایسا مجموعہ مرتب کر دیا جو تشنگان علم کیلیے سرچشمہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے
- ایک کتاب سے عالم کتاب بن جانے کا نسخہ حاضر خدمت ہے۔

سائز: ۱۸×۲۳ • صفحات: ۴۴۸ • قیمت -/۴۰ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۱۰ | نومبر ۱۹۸۸ء مطابق ربیع الاوّل، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ | عدد ۳

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رابطہ کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار۔ لاہور

فون نمبر ——— ۳۲۴۴۶۸

زرِ سالانہ تیس روپے — فی پرچہ ۳/- روپے

سیّد حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ملّتِ اسلامیہ کے لیے بہترین مہینہ ــــ ربیع الاوّل ــــ اور بہت مبارک دن دیومِ ولادت نبیؐ آخرین صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی ساری لمعانیوں اور تابانیوں کے سامنے آیا اور اس کے سعادتوں بھرے لمحات فرشتوں اور انسانوں اور دوسری مخلوق کے درود و سلام کی گلپوش وادیوں میں سے صبا کے جھونکے، خوشبوؤں کے مرغولے سمیٹتے گزر رہے ہیں۔

آج ۵ ربیع الاوّل کو جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں، میرے اندر سے ہو کر بھی اور باہر سے بھی ساعاتِ سعیدہ کی گزرتی ہوئی لہریں اس حقیقت کو نکھار نکھار کر دل و نظر کے سامنے لمعہ پاش کر رہی ہیں کہ بہبودِ ملّت اور فلاحِ انسانیت کا سرچشمہ وہ تعلیم ہدایت ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے آخری جامع تکمیلی صورت میں پہنچائی گئی ہے ــــ لفظوں اور معانی کی شکل میں بھی، ایک کامل ترین عملی نمونۂ انسانیت کے پیرائے میں بھی، اخوت و عدل و احسان کی اساسیات پر قائم ہونے والی ہیئتِ سیاست و معیشت اور نظامِ تہذیب و ثقافت کے حیرت انگیز ڈھانچے میں بھی۔

یہ سرچشمۂ انوار جو اصلاً خدائے واحد و برتر کا عطیہ ہے، اس تک رسائی کا راستہ صرف ایک ہی ہے ــــ نبیؐ اکرمؐ سے محبت اور والہانہ محبت، محبت کے ساتھ کامل اعتماد اور اعتماد پر قائم انقیاد! حکیم الاُمت نے خوب کہا:

بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی، تمام بولہبی ست

ترجمہ:- اپنے آپ کو جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم (اور آپ کی تعلیم و ہدایت) تک پہنچاؤ،

ورنہ اگر اُس (سرچشمۂ ہدایت) تک نہ پہنچ سکے تو پھر جو کچھ ہے بولہبی ہے۔

پس ربیع الاوّل اور یوم میلاد کا یہی پیغام ہے۔ خدا کے رسولؐ سے محبت اور ان کی اطاعت۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح تعلق قائم کرنے کے لیے اُس صحیح مقام کو جاننا ضروری ہے جو پورے سلسلۂ نبوت کی روشنی میں خاتم النبیین کا ہے۔ آپ واعظوں کے روحانیت آمیز رومانٹک اثرات اور قصے کہانیوں کو تھوڑی دیر کے لیے الگ رکھ کر خود قرآن سے یہ پوچھیں کہ نبیوں اور رسولوں کا سلسلۂ بعثت کیا معنی اور مقصد رکھتا ہے۔

قرآن کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ نبوتوں کی غایت ہدایت کے سوا کچھ اور نہیں۔ ہدایت اپنے متاثرین کے سفر کا ایمان سے آغاز کر کے، پہلے دعوت و تبلیغ کی منازل سے اور پھر ہجرت و جہاد کی وادیوں سے گزارتی ہوئی سیاسی اقتدار اور نظامِ معیشت اور تشکیلِ تہذیب تک پہنچاتی ہے۔

اصل میں اللہ تعالیٰ کی پوری کائنات میں اسکیم تخلیق، تسویہ، تقدیر، اور فراہمی قانون و ہدایت کے اجزا پر مبنی ہے۔ خدائی نظام کے یہی اجزا تمام مخلوق میں کام کرتے ہیں اور یہی انسانی زندگی میں کارفرما ہیں۔ حضرت آدمؑ کے ارضی زندگی اختیار کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ضمناً ان کی اولاد بلکہ تمام جن و انس کو یہ تسلی دلادی کہ میری طرف سے ہدایت کی بہم رسانی کا اہتمام جاری رہے گا اور پھر جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو اس کے لیے نہ خوف ہوگا نہ ملال۔ یعنی انسانوں کو بالخصوص یہ بتانا تھا کہ ہم تم کو یونہی زمین میں نہیں چھوڑ رہے بلکہ ایک طرف ہم تمہاری رزق رسانی کا انتظام کریں گے (وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا - ھود - ۶)[1] اور دوسری طرف تمہیں صحیح اور بہتر اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لیے رہنمائی بھی مہیا کریں گے۔

فرمایا:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

---

[1] اور زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے کہ جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ: ۱۳۸) اور یہی مضمون دوسرے الفاظ میں سورہ طہٰ (آیت ۱۲۳) میں بھی ہے۔)

ترجمہ: پھر جب جب بھی میری طرف سے ہدایت تمہیں پہنچے تو جس جس نے بھی میری ہدایت کی پیروی کی، تو ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ ملال۔

یعنی رزق بھی اللہ دے گا، ہدایت بھی اسی کی طرف سے ہوگی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ:

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى (واللیل ۱۲) ترجمہ: ہدایت (ایمانی، قانونی، سیاسی، اخلاقی) دینا ہمارے ذمے ہے۔

خدا نے انسان کی ہدایت کے لیے ایک سامان تو یہ کیا کہ اسے احسن تقویم پر پیدا کر کے فطرۃ اللہ کا جوہر عطا کیا۔ جس کی وجہ سے اس کے اندر خدا پرستی، توحید اور نیکی کا جبلّی میلان ہے۔ پھر انفس و آفاق میں اور تاریخی حوادث و سیر میں ایسی آیات پھیلا دیں جو خدا پرستانہ راہ ہدایت کی یاد دلاتی کراتی رہتی ہیں۔ اور تیسرا واضح اور روشن اہتمام یہ فرمایا کہ انبیاء و رسل کے ذریعے وحی بھیج کر بندوں کو کائنات اور زندگی کے اساسی حقائق بھی سکھائے اور قوانین و اخلاق بھی اور اجتماعی زندگی کے لیے سیاسی اور تہذیبی نظام بھی۔

سلسلۂ رسالت و ہدایت کی یہی حقیقت سورۂ حدید کی آیت ۲۵ میں بھی بیان فرمائی:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ...... الخ

ہم نے اپنے رسول بھیجے ہیں دلائل (اور معجزات) کے ساتھ اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔

یعنی خدا کی ہدایت کے تصور کی ایک اہم تعبیر یہ ہے کہ انبیاء و رسل اسے پھیلائیں، اور لوگ اسے قبول کر کے عدل و انصاف کے اس نقشے پر زندگیاں استوار کر لیں جو خدا نے الہامی ہدایت کے ذریعے طے کیا ہے۔

ہدایت بھیجنے سے اللہ کو یہ مذاق مطلوب نہیں کہ جس کا جی چاہے اس پر چلے اور جس کا جی نہ چاہے نہ چلے، اور کوئی تھوڑے سے جز کو اختیار کر کے بقیہ زندگی مزے سے آزادانہ فضا میں گزارے۔ خدا نے انبیاء کے ذریعے جو ہدایت بھیجی ہے اس کے لیے لازم کیا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ مختلف انبیا اپنے اپنے وقت پر پکارتے ہیں کہ:

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ - خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

پھر قرآن نے نبوتوں کے متعلق ایک اصول بتایا کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء-۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا، اس شرط کے ساتھ بھیجا کہ خدا کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو بہت ہی صراحت سے آگاہ کر دیا گیا کہ اس ہستی کو زندگی کے تمام امور میں فیصلہ کن اتھارٹی ماننا چاہیے، اس کے فیصلوں کو قبول کیا جائے، یہاں تک کہ دل میں کوئی تکدر بھی نہ پیدا ہو۔ حضور نے فرمایا: اِتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

دین کا دار و مدار ہی اللہ کی ہدایت کو قبول کرنے، اس کے رسولوں پر ایمان لانے اور خدا کی اصل اطاعت کے تحت اس کے اذن سے رسولوں کی اطاعت کرنے پر ہے۔ ساری عاقبت کا انحصار بھی اسی رویے پر ہے۔

اطاعت و اتباعِ نبوت کا مبحث تو گویا واعظین کی شریعت سے خارج ہو گیا ہے۔

ہمارا سارا وبال اسی وجہ سے ہے کہ ہم نے خدا کے ہاں حصولِ مرتبہ اور بخشش کے دوسرے فارمولے ایجاد کر لیے ہیں، جن کے دائرے میں اطاعت و اتباع کا مسئلہ اٹھتا ہی نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد محمد رسول اللہ کی تعلیم عملاً فروغ نہ پا سکی۔ عقاید مسخ ہو گئے، اخلاق اتنے پست ہوئے کہ خیانت اور ڈاکوں سے گزر کر اب ایک دوسرے کے قتل، مقاتلہ اور بستیوں، محلوں کو ویران کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ الحاد، اشتراکیت، لادینیت، نسل پرستی، علاقہ پرستی، دولت پرستی اور جاہ پرستی کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

حضور کے لیے وعظوں میں محبت بلا اطاعت کا جو فلسفہ اور بخشش باوجود حرام خواری و بدکاری

کا جو نظریہ پھیلایا جاتا رہا ہے اس نے حد درجہ کی پستی دلوں اور اعمال میں پیدا کر دی ہے۔

جناب خاتم النبیینؐ کی محبت و اطاعت کا آخروی ماحصل خدا کی طرف سے بخشش اور حضورؐ کی طرف سے شفاعت کا ہونا ہے۔

شفاعت کا صحیح تصور حاصل کرنے کے لیے خدا کے قانونِ مغفرت کو پہلے سمجھیے۔ خدا کا قانونِ مغفرت اور حضورؐ کی شفاعت میں ٹکراؤ نہیں ہو سکتا ہے۔ قانونِ مغفرت کی وضاحت تین قسم کے لوگوں کے بارے میں آتی ہے۔ (۱) وہ جو انبیاء یا اُن کی پیروی میں صدیقین، شہداء اور صالحین کا درجہ رکھتے ہوں۔ (۲) وہ جو منکرین، مشرکین یا منافقین اور مضلین کی صفوں میں ہوں۔ (۳) وہ جن کے ہاں ایمان کے ہوتے ہوئے نیک اعمال کے ساتھ برائیاں شامل ہو گئی ہوں[1]۔ ان میں پہلی قسم کے لوگوں کے لیے مغفرت اور رحمتیں اور بشارتیں ہیں۔ دوسری قسم کے لیے عذاب کی وعیدیں ہیں۔ صرف تیسری قسم کے لوگوں کا معاملہ ایسا ہے کہ ان میں غلبہ اگر نیکوئی کا ہوگا تو بخشش کا امکان غالب ہے۔ اور اگر برائی اور ظلم کا غلبہ ہوگا تو جرم و گناہ کے مطابق سزا ہوگی[2]۔

اس قسم میں سے جن کی بخشش کا عنداللہ امکان ہے، انہی کو شفاعت نصیب ہوگی۔ قرآن میں قانونِ شفاعت یہ بتایا گیا ہے کہ شفاعت صرف اس شخص کے لیے کی جائے گی جس کے بارے میں خدا اذن دے اور وہ ہستی یا ہستیاں کر سکیں گی جن کو اللہ سرفرازی دے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے دائروں میں شفاعت والدین بھی کر سکیں گے، معصوم اولادیں بھی کر سکیں گی۔ ممنونِ احسان و خدمت لوگ بھی کر

---

[1] وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ، خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا ط
(توبہ: ۱۰۲)

[2] وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ - إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ (توبہ ۱۰۶)
اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ ابھی خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے چاہے انہیں سزا دے اور چاہے ان پر از سرِ نو مہربان ہو جائے۔

سکیں گے، نماز، روزہ، قرآن اور اس کی سورتیں بھی شفاعت کریں گی، استاد، مبلغ، رہنما و پیشوا اور علوم دینی و علوم ضروریات دنیا (علم الادیان و علم الابدان) کے سلسلے میں تحقیق و تفکر اور تصنیف و تالیف کرنے والے لوگ اپنے حلقۂ اثر سے متعلق نیک اور پسندیدہ لوگوں کے بارے میں خدا کی طرف سے اذن ملنے پر اس کی مرضی کی حدود میں سفارش کر سکیں گے۔ ایسی مثالیں اور بھی بہت سی دی جا سکتی ہیں۔

قانونِ بخشش و مغفرت کے تحت توبہ کی بحث بھی آتی ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ، فَأُولٰئِكَ يَتُوبُ اللهُ عَلَيْهِمْ....

(النساء - ۱۷)

ترجمہ: ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے (نہ کہ سوچ سمجھ کر) کوئی برا فعل کر گذرتے ہیں اور اس کے بعد جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے۔

لَيْسَتِ التَّوْبَةُ عَلَى الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ..... (النساء - ۱۸)

ترجمہ: توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برے کام کیے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے، اس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی۔ اور اسی طرح توبہ ان لوگوں کے لیے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں۔

ان آیات سے توبہ کا قانون اور اس کے سامنے اللہ کا قانونِ مغفرت بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اور قانونِ مغفرت ہی کی روشنی میں شفاعت کے امکانات معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

کتنا غلط نقطۂ نظر ہے ان لوگوں کا جو لوگوں کو ترغیب دلاتے ہیں کہ شفاعتِ نبوت سے بہرہ مند ہونے کے لیے کچھ نہ کچھ گناہ ضرور کرنے چاہئیں۔

شفاعت کا معاملہ خدا کی بارگاہ میں زور زبردستی کا نہیں ہے۔ عاجزانہ درخواست ہے کیونکہ

کوئی بندہ کسی بھی عظیم مرتبے کا ہو، خدا کے سامنے بندگی مقام عاجزی ہے۔ قرآن سے "زور آزوری" والا نظریہ برآمد نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک خاص نوعیت کے غلط کاروں کی حرکات بیان کرنے کے بعد ارشادِ الٰہی یہ ہے کہ:

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (التوبہ ۔ ۸۰)

ترجمہ: اگر آپ ان لوگوں کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں تو بھی اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔

کتنے ہی گناہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر خود نبی پاک کی زبان سے کہلوایا کہ ان کی بخشش نہیں ہوگی۔ کتنے ہی اعمال ہیں جن کے بارے میں خود حضورؐ نے واضح طور پر کہہ دیا کہ ان معاملات میں میں سفارش نہیں کروں گا۔ کیا ضروری نہیں کہ ہر مومن اور ہر عالم اور ہر واعظ ارشادات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے؟ نیز تحریر و تقریر میں ایسی باتیں نہ کرے جو قرآن و حدیث کے صریح احکام کا کتمان کرنے والی ہوں۔

ایمان، ہدایت، بخشش اور سفارش کے غلط تصورات کا نتیجہ سامنے ہے کہ ہر سال کے بعد کا سال اور ہر مہینے کے بعد کا مہینہ اور ہر دن کے بعد کا دن ہمارے ایمانی و اخلاقی انحطاط میں اضافے کا آئینہ دار ہے۔

خدا کے لیے لوگوں کو گناہوں پر شیر و دلیر کرنے والے من گھڑت نظریات کو بدلیے۔

ربیع الاول کے ایک ایک لمحے کا پیغام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا ایمان لاؤ، حضورؐ سے پورے دل و جان کے ساتھ محبت کرو۔ محبت کرنے کا اولین تقاضا یہ ہے کہ حضورؐ کی اطاعت کرو۔ حضورؐ کی لائی ہوئی ہدایت کے مطابق اپنی انفرادی زندگی کو بھی سنوارو اور اجتماعی نظام کو بھی درست کرو۔

پھر اس کے بعد پورا یقین رکھو کہ خدا کی مغفرت اور نبی اکرمؐ کی شفاعت تمہارے نصیبوں میں ضرور ہوگی۔

خدا کرے کہ ہم سب اس مقام کو حاصل کر سکیں۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

انتخابی عمل اور اسلامی انقلاب

(ادارہ)

تبدیلیٔ قیادت کے لیے آپ واقعی کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اس گندے کھیل میں پاکیزگی کے ساتھ آیئے۔ تمام بُرے ہتھکنڈوں کا مقابلہ صحیح طریقوں سے کیجیے، جعلی ووٹ کے مقابلے میں اصلی ووٹ لایئے، دھن سے ووٹ خریدنے والوں کے مقابلے میں اُصول اور مقصد کی خاطر ووٹ دینے والے لاکر دکھایئے، دھوکے اور جھوٹ اور فریب سے کام لینے والوں کے مقابلے میں سچائی اور راست بازی کا مظاہرہ کیجیے۔ دھونس اور زبردستی سے ووٹ لینے والوں کے مقابلے میں ایسے ووٹر پیش کیجیے جو بے خوف ہوکر اپنے ضمیر کے مطابق ووٹ دیں، دھاندلیوں کے مقابلے میں ٹھیٹھ ایمانداری برت کر دکھایئے۔ ایک دفعہ نہیں، دس دفعہ ناکامی ہو تو ہو۔ آپ کوئی تبدیلی یہاں لا سکتے ہیں تو اسی طریقہ سے لا سکتے ہیں۔

اسی طرح آخرکار وہ وقت آئے گا جب کہ سارے ہتھکنڈوں کے باوجود غلط کار لوگ شکست کھا جائیں گے۔

(تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل ص ۲۲۶، ۲۲۷)

پچھلی مرتبہ حکمتِ مودودی کی عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے "معیار" کے سال کا اندراج رہ گیا تھا۔ ۱۹۷۷ء درج کرلیں۔ (ادارہ)

علامہ ابن تیمیہؒ کا تفسیری ورثہ

جناب ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

اہلِ علم میں علامہ ابن تیمیہؒ کی شہرت بجا طور سے جامع کمالات کی حیثیت سے ہے، لیکن ان کے سوانح نگاروں نے زیادہ اہمیت فتاویٰ، فقہ و حدیث، ردِ منطق و علمِ کلام اور عقاید سے متعلق علامہ کے کارناموں کو دی ہے عام طور سے علمِ تفسیر سے متعلق ان کی خدمات کا صرف مختصر یا سرسری تذکرہ کیا ہے۔ حالانکہ اس فن میں ان کے مقام اور خدمات کی اہمیت کا اندازہ ان رایوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو ان کے شاگردوں، قریب سے جاننے والوں اور ماہرینِ فن نے ان کے بارے میں ظاہر کی ہیں[۱]۔ پیشِ نظر مضمون میں آج کے طبقہ کو علمِ تفسیر سے متعلق علامہ کی کاوشوں سے متعارف کرانا مقصود ہے، نیز طلبا ءِ علوم القرآن کو اس تفسیری ذخیرہ کی طرف توجہ دلانا ہے جس میں ان کے اطمینانِ قلب و نظر کا کافی سامان موجود ہے۔

ابنِ تیمیہؒ کا تفسیری کارنامہ یہ بات قطعی ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے رائج طریقہ کے انداز پر قرآن پاک کی مکمل تفسیر نہیں لکھی اور نہ وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اپنے ایک شاگرد ابن رشیق کی اس طرح کی درخواست کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ " قرآن کا کچھ حصہ فی نفسہٖ واضح ہے، کچھ کی مفسرین نے ایک سے زیادہ کتابوں

---

[۱] طوالت کے اندیشہ سے ہم ان رایوں کو یہاں ہم ذکر نہیں کر رہے ہیں، ان کے لیے درج ذیل مصادر کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے - ابن عبد الہادی، العقود الدریۃ، بیروت، دار الکتب العلمیہ بدون تاریخ صفحات ۱۲، ۲۴ وغیرہ - البزاز، عمر بن علی - الاعلام العلیہ، بیروت المکتب الاسلامی، طبع ثانی ۱۳۹۶ھ، صفحات ۲۲-۲۳ -
ابن ناصر الدین، الرد الوافر، بیروت المکتب الاسلامی ۱۹۸۰ء صفحات ۲۰۲ - ۲۰۴ -

میں شرح کر دی ہے لیکن بعض آیات ایسی ہیں جن کی تفسیر علماء کی ایک بڑی جماعت پر مشکل ہو گئی ہے۔ ان کی گرہ کشائی کے لیے ایک شخص بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کرتا ہے پھر بھی گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مصنف نے ایک آیت کی تفسیر لکھ دی ہے۔ اسی تفسیر کے مماثل دوسری آیت کی تفسیر بھی ہونی چاہیے۔ میں نے دلیل کی روشنی میں انہیں آیات کی تفسیر کا قصد کیا ہے۔ کیونکہ جب ایک آیت کے معنی ظاہر ہو گئے تو اس طرح کی دوسری آیات کے معنی بھی واضح ہو جائیں گے"۔[۱]

ابن رشیق کے بارے میں ابن تیمیہؒ کے ایک اور شاگرد ابن عبدالہادی کا کہنا ہے کہ "یہ ہمارے استاد کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور ان کی تحریروں کے لکھنے اور جمع کرنے میں سب سے آگے تھے"۔[۲] اس لحاظ سے ابن رشیق کا مذکورہ بالا بیان علامہ ابن تیمیہؒ کے مکمل تفسیر نہ لکھنے کے بارے میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس سے ان مصنفین کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے جنہوں نے ابن تیمیہؒ کے مکمل تفسیر لکھنے یا اُن کی تفسیروں کے تیس یا چالیس جلدوں میں پائے جانے کی بات کہی ہے۔[۳]

۱۔ ابن عبدالہادی، العقود الدریۃ ص ۲۷، ۲۸۔ متاخرین میں امام فراہی بھی اسی کے قائل نظر آتے ہیں کہ بجائے پورے قرآن کی تفسیر لکھنے کے ان سورتوں کی تفسیر پر اکتفا کیا جائے جس کا نظم و معنی سمجھنے میں قاری کو مشکل پیش آتی ہو، چنانچہ انہوں نے بھی ایک طرف سے قرآن کی تفسیر لکھنے کے بجائے متفرق سورتوں کی تفسیر لکھی۔

۲۔ ابن عبدالہادی، العقود الدریۃ ص ۲۷

۳۔ ابن بطوطہ نے ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے "البحر المحیط" کے نام سے چالیس جلدوں میں قرآن کی مکمل تفسیر لکھی ہے جو محض وہم و گمان ہے جو ابن تیمیہؒ کو ابو حیان الاندلسی سے گڈمڈ کر دینے کی وجہ سے پیش آیا ہے اسی سے ملتی جلتی بات مشہور مستشرق بروکلمان نے بھی کہی ہے۔ ملاحظہ ہو: برکۃ، ابراہیم خلیل - ابن تیمیہ وجہودہ فی التفسیر" بیروت المکتب الاسلامی ۱۹۸۴ء ص ۸۴ - ۸۵۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگردوں ابن الہادی نے اپنے استاد کی سوانح عمری میں تحریر کیا ہے کہ علامہ نے ان مفسرینِ سلف کے اقوال کو تیس سے زائد جلدوں میں جمع کیا جو اپنی کتابوں میں سندوں کے ذریعے روایت کرتے ہیں۔ (العقود الدریۃ ۲۶) غالباً علامہ نے یہ اقوال اپنی یادداشت اور استفادہ کے لیے لکھے ہوں گے، ورنہ ابن تیمیہؒ کے اپنے قول کے مطابق یہ چیز تحصیل حاصل ہوتی۔ غالباً اسی بنیاد پر مولانا (باقی بر صفحہ آئندہ)

علامہ کے کئی شاگردوں نے علامہ کی ان کتابوں کی جو انہیں معلوم ہو سکیں، فہرستیں تیار کی ہیں۔ ان میں سب سے طویل فہرست علامہ ابن تیمیہؒ کے قریب ترین شاگرد ابن القیم کی تیار کردہ ہے۔ اس میں تفسیر سے متعلق چھوٹے بڑے ۹۲ رسائل و کتب کا ذکر ہے۔ ان میں سے مکمل سورتوں کی تعداد ۱۲ ہے۔ باقی متفرق آیات کی تفسیر و تشریح یا قرآن کے بعض پہلوؤں پر رسالے ہیں[1] اس میں سورۃ النور اور سورۃ اللیل کی تفسیروں کا ذکر نہیں ہے۔ علامہ کے مطبوعہ اجزاء تفسیر میں سورۃ النور اور سورۃ الاخلاص بہت پہلے سے شائع و متداول ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں دار القیمہ بھیمنڈی سے مشہور سلفی عالم مولانا عبدالصمد شرف الدین نے "مجموعہ تفسیر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے نام سے قرآن کی چھ سورتوں، الاعلیٰ، الشمس، اللیل، العلق، البینۃ الکافرون کی تفسیر اپنے حواشی و تعلیقات، اشاریے اور انگریزی میں ایک وقیع مقدمہ کے ساتھ ان کے شایان شان معیار پر شائع کی[2] ابن تیمیہؒ کی تفاسیر کے یہ اجزاء انہیں قاہرہ کے دارالکتب المصریہ میں موجود ابن عروہ حنبلی متوفی ۸۳۷ھ کی کتاب الکواکب الدراری کے مخطوطہ میں ملے۔ اس مجموعہ کے بارے میں علامۃ الشام محمد بہجۃ البیطار مرحوم لکھتے ہیں:

"ابن تیمیہ کی چھ سورتوں کی تفسیر پر مشتمل یہ مجموعہ محض ایک تفسیر ہی نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب میں ابن تیمیہؒ کی تفسیری خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تیس جلدوں میں ان کی تفسیر لکھے جانے کا ذکر کیا ہے اور ان کی مکمل تفسیر کے ضائع و مفقود ہونے پر افسوس کیا ہے (تاریخ دعوت و عزیمت (جلد دوم) مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، طبع چہارم ۱۹۷۹ء، ص ۴۷،۴۸ ۳۴۸)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] ابن القیم، اسماء مؤلفات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (تحقیق المنجد، صلاح الدین) بیروت، دار الکتاب الجدید، طبع رابع ۱۹۸۲ء ص ۸-۱۸

[2] شرف الدین عبدالصمد (مرتب) مجموعہ تفسیر شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ، بھیمنڈی، الدار القیمہ ۱۹۵۴ء ص ۵۰۰

بر قرآن کی بعض رکنی اہم) سورتوں کی تفسیر ہے۔ اور ان متکلمین سے مناظرہ ہے جو آیات صفات کی تاویل کرتے ہیں، اور ان کے شرعی و لغوی معانی کو معطل قرار دیتے ہیں۔ مثلاً فرقہ جہمیہ، معتزلہ و قدریہ۔ اس میں صحیح منقول اور صریح معقول کے درمیان بہترین طور پر مطابقت پیش کی گئی ہے۔"[1]

سعودی عرب کے دار الحکومت ریاض سے ۳۵ جلدوں میں ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ اور دو جلدوں میں ان کی فہرست یا اشاریہ سن ۱۳۸۱ تا ۱۳۸۶ ہجری میں شیخ عبدالرحمٰن بن محمد حنبلی نے شائع کیے ہیں۔ ان کی چھ جلدیں ۱۲ تا ۱۷۔ تفسیر اور علوم قرآن سے متعلق ہیں۔ ان میں ابن تیمیہؒ کی تفاسیر کے دستیاب اجزاء قرآن اور قرآنی آیات سے متعلق سوالات پر ابن تیمیہؒ کے جوابات، مقدمہ اُصول تفسیر وغیرہ شامل ہیں۔[2]

اقبال احمد اعظمی نے "تفسیرات ابن تیمیہؒ" کے عنوان سے ایک کتاب ۱۹۷۱ء میں علمی پریس، مالیگاؤں سے شائع کی ہے۔ بدقسمتی سے مجھے اس سے استفادہ کا موقع نہیں مل سکا۔ اس لیے اس کے محتویات کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔

دقائق التفسیر کے نام سے محمد السید الجلیند نے ابن تیمیہؒ کے تفسیری ورثہ کو عام تفاسیر کے انداز پر مرتب کیا ہے۔[3] یہ کتاب دوسری بار ۱۹۸۴ء میں چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کا پہلا ایڈیشن چار حصوں میں صرف سورہ مجادلہ تک ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا۔ طبع ثانی میں مرتب نے اسے تفسیر معوذتین تک پہنچا دیا ہے۔ اگرچہ یہ قابلِ تحسین کوشش ہے مگر اپنے بلند بانگ دعووں کے باوجود راقم کی نظر میں یہ مجموعہ غیر تشفی بخش ہے۔ اس پر مزید اظہارِ خیال مضمون کے آخر میں ہوگا۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے جو مختلف آیات و سُور کی مستقل تفسیریں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی اکثر کتابوں میں بعض دوسرے مباحث کے تحت بہت سی آیات کی ضمناً تفسیر و تشریح آگئی ہے۔ خاص طور سے

---

[1] البیطار، محمد بہجۃ "حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ" بیروت، المکتب الاسلامی ۱۹۶۱ء ص ۱۲۷

[2] الحنبلی، عبدالرحمٰن بن محمد (مرتب) مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، الریاض، مطابع الریاض۔ ۱۳۸۱ء

[3] الجلیند، محمد السید (مرتب) دقائق التفسیر الجامع لتفسیر الامام ابن تیمیہ ۱۹۸۴ء چھ حصے چار جلدوں میں۔

درج ذیل کتابوں میں وافر تفسیری ذخیرہ موجود ہے۔

۱۔ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔

۲۔ الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطٰن۔

۳۔ کتاب درء تعارض العقل والنقل۔

۴۔ الفتاوی الکبریٰ۔

علامہ ابن تیمیہ کا طریقۂ تفسیر

تفسیر قرآن کے سلسلے میں علامہ ابن تیمیہؒ نے جو طریقہ اپنایا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں سلف صالحین کا طریقہ ہے اور اس قابل ہے کہ ہر سلیم الفہم اسے اختیار کرے۔ فہم قرآن کے لیے سب سے پہلے وہ خود قرآن سے مدد لیتے ہیں، پھر احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تابعین کے متفقہ اقوال کو درجہ دیتے ہیں۔ اختلاف کی شکل میں قرآن وحدیث کی شرح ونشا اور عربی زبان کے استعمال اور صحابہ کے اقوال سے اقرب قول کو لیتے ہیں[1] اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ قرآن کی تفسیر قرآن سے۔ ابن تیمیہؒ کے نزدیک تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ خود پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جائے " القرآن یفسر بعضہ بعضاً۔ کیونکہ قرآن میں عموماً اگر ایک چیز ایک جگہ مختصر یا مجمل آئی ہے تو دوسری جگہ اسے تفصیل بیان کر دیا گیا ہے۔ کِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود-۱) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں پھر خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی۔

۲۔ فہم قرآن کی دوسری کلید احادیث ہیں کیونکہ یہ چیز منصب رسالت میں شامل تھی کہ آپؐ قرآن کی صحیح تشریح وتعبیر لوگوں کو بتا دیں وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (نحل ۴۴) اور ہم نے تم پر بھی یاد دہانی اتاری تاکہ تم لوگوں پر اس چیز کو اچھی طرح واضح کر دو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے اور تاکہ وہ غور کریں۔

---

[1] ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام، الریاض، مطابع الریاض ۱۳۸۱ھ، جلد ۱۳، ص ۳۶۳

۳ ـــ کسی آیت کی وضاحت قرآن و حدیث میں نہیں مل رہی ہے تو صحابہ کرامؓ کے آثار کی طرف توجہ کرنی چاہیے، اس لیے کہ ان کے سامنے اور ان کے ماحول میں قرآن نازل ہوا ۔ وہ قرآن و سنت کے سب سے بڑے رمز شناس تھے اور براہ راست درس گاہ رسالت سے فیض یافتہ بھی ۔

۴ ـــ آخری مرتبہ تابعین کے اقوال کا آتا ہے جو صرف ایک واسطہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب تھے اور جن کی ایک خاص تعداد نے جن میں حضرت عکرمہؒ، مجاہدؒ، عطا بن رباح، حسن بصریؒ وغیرہم شامل ہیں مفسرین صحابہ مثلاً حضرات ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ وغیرہم سے ایک ایک آیت سبقاً سبقاً پڑھی تھی ۔ ان کے متفقہ اقوال کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، البتہ مختلف فیہ اقوال کے سلسلے میں قول اصوب کی تعیین میں قرآن و حدیث کے انداز زبان و بیان عربوں کے عام استعمال لغت اور صحابہؓ کے اقوال کا سہارا لیں گے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تابعین کے بعد فہم قرآن کا دروازہ بند نہیں ہوگا، بلکہ ان کے اقوال کے مختلف ہونے (اسی میں ان کا کوئی قول نہ پایا جانا شامل ہے) کی صورت میں قرآن و حدیث کی زبان اس کی مدح وبنشا، تفسیر طلب الفاظ اور جملوں کا عربوں کے یہاں استعمال اور صحابہؓ کے اقوال کی روشنی میں کسی آیت کی تفسیر کی جائے گی ۔ ان چار اصولوں سے ہٹ کر من مانی تفسیر کو جسے اصطلاحاً "تفسیر بالرائے" سے موسوم کیا جاتا ہے وہ حرام قرار دیتے ہیں[1]

تفسیر بالرای کی حکمت علامہ ابن تیمیہؒ نے تفسیر بالرای کی حرمت کے سلسلے میں بہت سے دلائل دیئے ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں[2]:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کے بارے میں کوئی بات بغیر علم کے کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ کو بنالے ۔ اسی طرح حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس نے قرآن کی بابت کوئی بات محض، اپنی رائے سے کہی جو اتفاقاً نکلی اس نے بھی غلطی کی ۔ اس کی تشریح میں ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ "جس نے قرآن کے سلسلے میں اپنی رائے سے (بغیر کسی بنیاد کے) کوئی بات کہی اس نے ایسی بات

---

[1] ابن تیمیہ، مجموع فتاوی شیخ الاسلام، الریاض، مطابع الریاض ۱۳۸۱ھ، جلد ۱۳، ص ۳۷۰ ۔

[2] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً صفحات ۳۷۰ ۔ ۳۷۴ ۔

کہنے کی جرأت کی جس کا اُسے علم نہیں ہے - اور ایسی راہ پر چلا جس کا اُسے حکم نہیں ہے - ایسے شخص نے واقعۃً صحیح معنیٰ کو پالیا - پھر بھی غلط اقدام کیا - کیونکہ کام کا جو صحیح طریقہ ہے اُسے اس نے نہیں اپنایا - اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جاہل لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے بیٹھ جائے - ایسا شخص جہنم رسید ہوگا - اگر یہ اتفاقاً اس کا فیصلہ صحیح ہوگیا ہو - البتہ ایسے شخص کا جرم اس شخص سے ہلکا ہوگا جس کا فیصلہ بھی غلط ہو - واللہ اعلم[۱]

ابو معمر سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ کون سی سرزمین مجھے سہار سکتی ہے اور کس آسمان کے زیرسایہ مجھے پناہ مل سکتی ہے اگر میں کتاب اللہ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں ہے"۔ حضرت مسروقؒ نے فرمایا کہ تفسیر کے معاملہ میں ڈرو، کیونکہ وہ اللہ کے متعلق روایت ہے -

مذکورہ بالا اقوال کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کی تفسیر میں صرف منقولات پر اعتماد کیا جائے اور اس میں تدبر و تفکر نہ کیا جائے - یا یہ کہ تدبر و تفکر کے نتیجہ میں ہونے والی گرہ کشائی اور دوسرے رائج علم سے ہونے والی وضاحتوں سے پرہیز کیا جائے - ابن تیمیہؒ کے ذکر کردہ آثار و اقوال میں سے (چند ایک کو چھوڑ کر جو ذاتی شدتِ احتیاط پر مبنی ہیں) اکثر میں صاف ممانعت صرف بغیر علم تفسیر کرنے کی آئی ہے[۲]۔ ورنہ علم و تفقہ کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر یں شروع سے ہوتی چلی آئی ہیں - جیسا کہ ہم نے ابن تیمیہؒ کے طریقۂ تفسیر کے تحت ذکر کیا ہے وہ اس تفسیر کو تفسیر بالرای سمجھتے ہیں جو خود قرآن کی اپنی تفسیر، احادیث کی وضاحتوں، اقوالِ صحابہ و تابعین اور زبان و بیان کے قواعد و ضوابط سے آزاد ہو کر کی جائے - وہ اس طرح کی تفسیر سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں، رہی وہ تفسیر جو کسی علمی اساس پر مبنی ہو وہ تو عین واجب و مطلوب ہے کیونکہ "جس طرح یہ واجب ہے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس پر سکوت اختیار کیا جائے، اسی طرح اس چیز کا بیان کرنا بھی واجب ہے جس کا آدمی کو علم ہو اور اُس سے دریافت کیا جائے - حدیث شریف میں ہے جس سے کسی علم کے بارے میں

۱۔ ابن تیمیہؒ، مجموع - فتاویٰ شیخ الاسلام، الریاض، مطابع الریاض ۱۳۸۱ھ جلد ۱۳ صفحہ ۳۷۱

۲۔ بعض علماء نے ان علوم کی فہرست تیار کرنے کی کوشش کی ہے جن سے واقف ہونا ایک مفسر کے لیے ضروری ہے اور جن کے بغیر تفسیر بالرای کے فتنہ میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے - وہ علوم ہیں لغت، نحو، صرف، اشتقاق، علمِ معانی، بیان، بدیع، علم قرأت، اُصول دین، اُصولِ فقہ، اسباب نزول، قصص، ناسخ و منسوخ، فقہ، احادیث، علم وہبی - علامہ جلال الدین سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، قاہرہ، مصطفیٰ حلبی و شرکائہٗ، حصہ دوم ص ۱۸۱

پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپایا۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔[۱]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن تیمیہؒ اور دوسرے علماء نے تفسیر بالرائے کے فتنہ سے لوگوں کو خاص طور سے اس لیے آگاہ کرنا چاہا کہ اس عہد میں بعض باطل فرقوں کی طرف سے قرآن کی ایسی من مانی تفسیر شروع ہو گئی تھی، جس کی کہیں سے کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی تھی۔[۲] تفسیر بالرای کا فتنہ ہر دور میں سر اُٹھاتا رہا ہے اور ہمیشہ سے اُمت میں افتراق کا ایک بہت بڑا سبب رہا ہے۔

(باقی)

---

[۱] ابن تیمیہؒ، مجموع فتاوٰی، جلد ۱۳ ص ۳۷۵

[۲] ایضاً ص ۳۵۵، ۳۶۰

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔

(ادارہ)

اقبال کا تصوّرِ جنّت و دوزخ

جناب پروفیسر محمد رفیق

اقبال مرحوم ایک عظیم شاعر، فلسفی اور کاروانِ اُمت کے حُدی خواں تھے۔ فی الحقیقت اُن کے سوا تاریخِ اسلامی میں ایسا کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا جس نے اسلام کے پورے نظامِ فکر و عمل کو شاعری کا خوبصورت اور دل آویز جامہ پہنایا ہو۔ اُن کے کلام میں بیک وقت حافظ کی رنگینیٔ بیان، نظیری کا حکیمانہ لہجہ اور غالب کی شوخیٔ ادا پائی جاتی ہے۔ آج بین الاقوامی سطح پر وہ ایک مسلم مفکر کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔

تاہم انہوں نے جنّت و دوزخ کے بارے میں جو تصور اپنی انگریزی تصنیف:

"The Reconstruction of Religious Thought in Islam"

(تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ) کے خطبۂ چہارم:

"The Human Ego - His Freedom and Immortality"

(انسانی خودی — اُس کی حریت و ابدیت) میں پیش کیا ہے، اور جس کی تشریح و توضیح ہمیں "پیامِ مشرق" اور "جاوید نامہ" میں شاعرانہ اسلوبِ بیان کے ساتھ ملتی ہے، وہ نہایت قابلِ غور ہے۔

اقبال مرحوم کی رائے میں جنّت اور دوزخ مقامات نہیں ہیں بلکہ احوال و کیفیات کے نام ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

Heaven and Hell are states, not localities. The descriptions in the Quran

are visual representations of an inner fact, i.e. character. Hell, in the words of the Quran, is 'God's kindled fire which mounts above the hearts'—the painful realization of one's failure as a man. Heaven is the joy of triumph over the forces of disintegration.

(P. 123)

ترجمہ: جنت اور دوزخ احوال وکیفیات ہیں، مقامات نہیں ہیں، قرآن مجید میں ان کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے، اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ ایک داخلی حقیقت، یعنی انسان کے اندرونی احوال کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھر جائے۔ جیسا کہ دوزخ کے بارے میں ارشاد ہے کہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو دلوں پر چڑھتی ہے، بالفاظِ دیگر وہ انسان کے اندر بحیثیت انسان اپنی ناکامی کا دردانگیز احساس ہے۔ اسی طرح جنت کا مطلب ہے فنا اور ہلاکت کی قوتوں پر غلبے اور کامرانی کی مسرت" (ص ۱۲۳)

مزید برآں اقبال مرحوم کے نزدیک جو لوگ جنت یا دوزخ میں ہوں گے، ان کے لیے خلود (ہمیشگی) نہیں ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت کی نعمتوں سے بہرہ مند یا دوزخ کے عذاب میں گرفتار نہیں رہیں گے۔ بلکہ یہ بھی ایک دورِ زمانی ہوگا جو کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گا۔ جنت اور دوزخ میں عدمِ خلود کے اس تصور سے متعلق اقبال مرحوم کے الفاظ یہ ہیں:

The word 'eternity' used in certain verses, relating to Hell, is explained by the Quran itself to mean only a period of time (78 : 23). Time cannot be wholly irrelevant to the development of personality. Character tends to become permanent; its reshaping must require time. Hell, therefore, as conceived by the Quran, is not a pit of everlasting torture inflicted by a revengeful God; it is a corrective experience which may make a hardened ego once more sensitive to the living breeze of Divine Grace. Nor is Heaven a holiday. Life is one and continuous. Man marches always onward to receive ever fresh illuminations from an Infinite Reality which 'every moment appears in a new glory'. And the recipient of Divine illumination is not merely a passive recipient. Every act of a free ego creates a new situation, and thus offers further opportunities of creative unfolding.

(P. 123)

ترجمہ: "قرآن مجید نے لفظ "خلود" کی تشریح بھی دوسری آیات میں اس طرح کر دی ہے کہ اس سے مراد محض ایک مدتِ زمانی (۷۸ : ۲۳) ہے۔ یوں بھی انسانی سیرت کا تقاضا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرے، اس میں سختی اور پختگی پیدا ہوتی جائے، لہٰذا سیرت اور کردار کی تبدیلی کے لیے بھی "وقت" کی ضرورت ہوگی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جہنم بھی کوئی "گڑھا" نہیں ہے جسے منتقم خدا نے اس لیے تیار کر رکھا ہے کہ گنہگار ہمیشہ اس میں گرفتارِ عذاب رہیں۔ وہ درحقیقت تادیب کا ایک عمل ہے تاکہ جو خودی پتھر کی طرح سخت ہو گئی ہے وہ پھر رحمتِ خداوندی کی نسیمِ جاں فزا کا اثر قبول کر سکے۔ لہٰذا جنت بھی لطف و عیش یا آرام و تعطل کی کوئی حالت نہیں۔ زندگی ایک ہے اور مسلسل، اور اس لیے انسان بھی اس ذاتِ لامتناہی کی نو بہ نو تجلیات کے لیے، جس کی ہر لحظہ ایک نئی شان ہے، ہمیشہ آگے ہی آگے بڑھتا رہے گا۔ پھر جس کسی کے حصے میں یہ سعادت آتی ہے کہ تجلیاتِ الٰہیہ سے سرفراز ہو وہ صرف ان کے مشاہدے پر قناعت نہیں کرے گا۔ خودی کی زندگی اختیار کی زندگی ہے جس کا ہر عمل ایک نیا موقف پیدا کر دیتا ہے اور یوں اپنی خلاقی اور ایجاد و طباعی کے لیے نئے نئے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔" (ص۔ ۱۲۳)

اقبال مرحوم نے اپنے انہی تصورات کو اپنے اشعار میں بھی کئی جگہ پیش کیا ہے۔ اپنے مجموعۂ کلام "پیام مشرق" کے حصۂ افکار میں "حور و شاعر" کے عنوان سے گوئٹے کے نام جو جوابی نظم لکھی ہے، اس میں بھی انہوں نے جنت و دوزخ سے متعلق اپنے یہی نظریات ظاہر کیے ہیں۔ اس مکالماتی نظم میں حورِ بہشت شاعر (اقبال) سے یہ شکایت کرتی ہے کہ:

نہ بہ بادہ میل داری نہ بمن نظر کشائی
عجب این کہ تو نہ دانی رہ و رسمِ آشنائی

ترجمہ: تُو نہ تو شراب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ میری جانب نگاہ اٹھاتا ہے۔ تعجب ہے کہ تجھے آدابِ محبت بھی معلوم نہیں ہیں۔

اس کے جواب میں شاعر (اقبال) کہتا ہے کہ ؎

چہ کنم کہ فطرتِ من بہ مقام در نسازد — دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے
چو نظر قرار گیرد بہ نگارِ خوب روئے — تپد آں زماں دلِ من پئے خوب تر نگارے
ز شرر ستارہ جویم، ز ستارہ آفتابے — سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے
چو ز بادۂ بہارے، قدحے کشیدہ خیزم — غزلے دگر سرایم بہ ہوائے نو بہارے
طلبم نہایتِ آں کہ نہایتے ندارد — بہ نگاہے ناشکیبے، بہ دلِ امیدوارے
دلِ عاشقاں بمیرد بہ بہشتِ جاودانے — نہ نوائے دردمندے، نہ غمے، نہ غمگسارے

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ص ۲۹۶ تا ۲۹۸)

ترجمہ:

— میں کیا کروں میرے مزاج کو کسی مقام سے سازگاری نہیں ہے میرا دل ہر وقت بے قرار رہتا ہے جیسے باغ میں صبا بے قرار رہتی ہے۔

— جب میری نگاہ کسی خوب صورت محبوب پر پڑتی ہے تو میرا دل اسی وقت کسی اور زیادہ خوب صورت محبوب کی طلب میں تڑپنے لگتا ہے۔

— مجھے شرر کے بعد ستارے کی اور ستارے کے بعد سورج کی تلاش رہتی ہے۔ میری کوئی منزل نہیں ہے۔ کیونکہ کسی جگہ مقیم ہو جانے میں میرے لیے موت ہے۔

— جب میں موسمِ بہار کی شراب کا ایک جام لنڈھا کر اٹھتا ہوں تو فضائے نو بہار میں آ کر ایک تازہ غزل کہتا ہوں۔

— مجھے اپنی بے چین نگاہ اور اپنے پُر امید دل کے ساتھ ایسی انتہا کی تلاش ہے، جس کی اور کوئی انتہا نہیں۔

— عاشقوں کا دل اس بہشتِ جاودانی میں پہنچ کر مر جاتا ہے جہاں کسی دردمند کی صدا نہیں جہاں کوئی غم نہیں اور کوئی غم گسار نہیں۔"

اسی طرح "جاوید نامہ" میں بھی اقبال مرحوم نے اپنے اسی تصور کو مرشدِ رومی کی زبان سے یوں بیان کیا ہے ؎

آنچہ خوانی کوثر و غلمان و حور
جلوۂ ایں عالمِ جذب و سرور (کلیاتِ اقبال، فارسی، ص ۷۴۳)

ترجمہ: جو کچھ تو کوثر، غلمان اور حوروں کے بارے میں پڑھتا سنتا ہے، اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ اسی جذب و سرور کی دنیا کا ایک جلوہ ہے۔

اور اسی "جاوید نامہ" میں جب زندہ رود (اقبال، فردوسِ بریں سے رخصت ہونے لگتا ہے تو جنت کی حوریں اس سے ہم نشینی کی فرمائش کرتی ہیں۔

بر لبِ شاں زندہ رود، اے زندہ رود / زندہ رود، اے صاحبِ سوز و سرود
شور و غوغا از یسار و از یمین / یک دو دم با ما نشیں، با ما نشیں

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ص ۷۷۴)

ترجمۂ اشعار: "ان کے لبوں پر زندہ رود، زندہ رود کا نام ہے اور وہ زندہ رود کو جو کہ صاحبِ سوز و سرور ہے، پکار رہی ہیں، دائیں بائیں ہر طرف ان کا شور و غوغا ہے اور وہ کہتی ہیں کہ اور کچھ دیر کے لیے ہمارے سامنے رہو۔"

مگر ان کے جواب میں زندہ رود (اقبال) یہ کہتا ہے:-

راہرو کو داند اسرارِ سفر / ترسد از منزل ز رہزن بیشتر
عشق در ہجر و وصال آسودہ نیست / بے جمالِ لایزال آسودہ نیست
ابتدا پیشِ بتاں افتادگی / انتہا از دلبراں آزادگی
عشق بے پروا و ہر دم در رحیل / در مکان و لامکاں ابن السبیل

کیشِ ما مانندِ موج تیز گام
اختیارِ جادہ و ترکِ مقام

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ص ۷۷۵)

ترجمۂ اشعار:

— وہ راہرو جو سفر کے رازوں سے واقف ہے، اسے خوفِ راہزن سے بڑھ کر خوفِ منزل ہوتا ہے۔

— عشق کو نہ ہجر میں چین ہے، نہ وصال میں، اسے جمالِ لازوال کے بغیر آسودگی کہاں؟

— عشق کی ابتداء محبوبوں کے سامنے عجز و انکساری ہے اور اس کی انتہا دلبروں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

— عشق بے پروا ہے، ہر وقت محوِ سفر رہتا ہے۔ مکان ہو یا لامکاں وہ دونوں ہی میں مسافر ہوتا ہے۔

— ہمارا مذہب وہ ہے جو تیز رفتار موج کا ہے۔ ہم راستہ تو اختیار کرتے ہیں مگر کسی مقام پر ٹھہرا نہیں کرتے۔"

اقبال مرحوم کے انہی تصورات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے اپنی کتاب "فکرِ اقبال" میں لکھا ہے کہ:

"اقبال کے ہاں عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کا تصور بھی عام عقاید سے بہت کچھ الگ ہو گیا ہے۔ وہ جنت کو مومن کا مقصود نہیں سمجھتا اور نہ ہی اسے بدنی عشرت کا مقام خیال کرتا ہے۔ اس کے نزدیک جنت یا دوزخ مقامی نہیں بلکہ نفسی ہیں:

جس کا عمل ہے بے غرض، اُس کی جزا کچھ اور ہے
حُور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر"

(فکرِ اقبال، ص ۱۲۵، مطبوعہ بزمِ اقبال، لاہور)

اقبال مرحوم کی کتاب "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" کے خطبۂ چہارم کے متضمنات پر اقبال کی ترجمانی کرتے ہوئے ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مزید لکھتے ہیں کہ:

"اگر ہم مکانی تصورات سے نجات حاصل کر لیں تو یہ عقیدہ بھی قائم کر سکتے ہیں کہ جنت و دوزخ مقامات کا نام نہیں، بلکہ نفس کے احوال کا نام ہے۔ از روئے قرآن دوزخ کی آگ کسی خارجی ایندھن سے نہیں جلتی بلکہ اس کے شعلے قلوب میں سے اُٹھتے ہیں۔"

(فکرِ اقبال، ص ۸۲۳)

ان تصوّرات کا تجزیہ | ہمارے نزدیک اقبال مرحوم کے یہ دونوں تصورات — جنت و دوزخ کا مقامات کی بجائے احوال و کیفیات ہونا اور وہاں کی زندگی میں عدمِ خلود ہونا — قرآن مجید کی آیات اور اس کے نصوص کے صریحاً خلاف اور غلط ہیں۔

اپنے پہلے تصور کے حق میں انہوں نے جو قرآنی دلیل دی ہے، اُس کا اصل حوالہ یہ ہے:

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ ؕ	وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچتی ہے۔

(ھمزہ - آیت - ۶-۷)

اِن دونوں آیاتِ قرآنی سے اقبال مرحوم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دوزخ کوئی مقام نہیں ہے، بلکہ ناکامی کے دردانگیز احساس کی کیفیت کا نام ہے۔

اب ذرا ان دونوں آیاتِ مذکورہ کا اصل سیاقِ کلام ملاحظہ ہو:-

وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ۙ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخْلَدَہٗ ۚ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۖ٘ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ؕ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ (سورۂ ھمزہ)	ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں پر طعن کرتا اور پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرنے کا خوگر ہے جو مال جمع کرتا ہے اور اُسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں، وہ شخص چکنا چور کردینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا اور تمہیں کیا معلوم وہ چکنا چور کردینے والی جگہ کیا ہے؟ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو دلوں تک پہنچے گی۔ وہ آن پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی اس حال میں کہ وہ اونچے اونچے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

پوری سورہ کے اس سیاقِ کلام میں لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ (وہ شخص چکنا چور کردینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا)، اور فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (وہ اونچے اونچے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے) کے قرآنی الفاظ بول بول کر اس امر کی وضاحت کر رہے ہیں کہ اس میں اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ سے دوزخ مراد ہے جو ایک آتشیں مقام اور جگہ ہے۔

پھر دوزخ کے مقام ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں اتنے واضح دلائل، نظائر اور نصوص موجود

ہیں، جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ اور ان شواہد کی موجودگی میں دوزخ کا کوئی ایسا مفہوم مراد نہیں لیا جاسکتا جو دوزخ ہی سے متعلق قرآن مجید کی دوسری تصریحات سے متصادم یا اُن کے منافی ہو۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ دوزخ کو بِئْسَ الْمَصِيرُ (البقرہ-۱۲۶) اور بِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران ۱۲) کہا گیا ہے، جن کے معنی ہیں "بُرا ٹھکانا"۔ کہیں اُسے دَارُ الْفَاسِقِيْنَ (فاسقوں کا گھر۔ الاعراف ۱۴۵) قرار دیا ہے۔ کبھی اسے دَارُ الْبَوَارِ (ہلاکت خانہ۔ ابراہیم-۲۸) کا نام دیا گیا ہے۔ کبھی اُسے مَثْوَى الظَّالِمِيْنَ (ظالموں کے رہنے کی جگہ۔ آل عمران-۵۱) سے تعبیر کیا گیا ہے، کبھی اُسے بِئْسَ الْقَرَارُ (بُری جگہ۔ ابراہیم-۲۹) بتایا ہے، اور کہیں اُسے هَاوِيَةٌ (گڑھا۔ القارعہ ۹) کہا ہے۔

قرآن مجید کے اس قدر کثیر نصوص اور تعلیمات کے ہوتے ہوئے آخر سورۂ ہمزہ کے مذکورہ حوالے کی بنیاد پر یہ کہنے کی گنجائش کہاں ہے کہ دوزخ کوئی مقام نہیں ہے اور ناکامی کے درد انگیز احساس کی کیفیت کا نام ہے۔

دوسری جانب جنت کے مقام و مستقر ہونے کے نصوص اور قطعی دلائل بھی خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ سورۂ فرقان میں "عباد الرحمٰن" اللہ کے نیک بندوں کا انجام اس طرح بتایا گیا ہے کہ وہ ایک اچھے مستقر اور مقام میں ہمیشہ رہیں گے۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝	ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے جنت میں رہنے کو بالاخانے ملیں گے اور وہاں دُعا اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کیا ہی اچھی جگہ ہے تھوڑی دیر ٹھہرنے کے لیے ہو یا مستقل طور پر رہنے کے لیے۔

(الفرقان ، آیت ۷۵، ۷۶)

۲۔ سورۂ نازعات آیت ۴۱ میں بتایا کہ نیک نفس انسان کے لیے جنت کا ٹھکانا ہوگا:

فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝	پھر جنت اس کا ٹھکانا ہے۔

۳۔ سورۂ دخان میں ہے کہ پرہیزگاروں کے لیے جنت اور چشموں کی جائے امن ہوگی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ   بے شک پرہیزگار لوگ امن کی جگہ پر

اَمِيْنٍ ۙ   ہوں گے، باغوں میں اور چشموں میں۔

اب آیئے اُس قرآنی دلیل کی طرف جس کی بُنیاد پر اقبال مرحوم نے جنت اور دوزخ میں عدمِ خلود ہونے کا نظریہ قائم کیا ہے۔ جس آیت کا حوالہ اُنہوں نے دیا ہے۔ وہ سورۂ نبار کی آیت ۲۳ ہے۔ جہاں اللہ کے باغیوں کو جہنم کی وعید سُنانے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ:

لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۚ   وہ اس میں رہیں گے قرنوں تک۔

اس آیت کے لفظ احقاب سے اقبال مرحوم یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ قرنوں تک کی مدت کہیں جا کر ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا دوزخ میں کسی کے لیے بھی خلود نہ ہوگا۔

مگر یہ استدلال کئی وجوہ سے غلط ہے اور قرآن مجید کی تعلیمات کے قطعی خلاف ہے۔

۱۔ لُغت کی دلیل   پہلی بات جو بات مرحوم کے استدلال کی کمزوری کو ظاہر کرتی ہے، لفظ احقاب کے لُغوی معنی و مفہوم کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی ہے۔ عربی لُغت میں احقاب (واحد حقب اور حقبہ) کے معنی لامتناہی زمانے کے ہیں۔ عربی زبان کے مشہور و مستند لُغت، لسان العرب میں اسی لفظ کے معنی مُدَّۃٌ لَا وَقْتَ لَهَا (جلد اص ۳۲۶) کے بیان کیے گئے ہیں، جس کے معنی ہیں "ایسی مدت جس کے ختم ہونے کے لیے کوئی وقت نہ ہو"۔ پھر اسی لُغت میں مشہور ماہر لُغت "فرّاء" کا قول درج کیا گیا ہے، جس کے نزدیک اس آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے:

"والمعنی انهم یلبثون   "اور اس کے معنی کہ وہ دوزخ میں احقاب کی
فیها احقابا، کلما مضیٰ حُقُبٌ   مدت رہیں گے۔ یہ ہیں کہ جب ایک دورِ زمانی
تبعہ حقب اٰخر"   گذرے گا تو پھر دوسرا دورِ زمانی شروع ہو
(لسان العرب، جلد اوّل۔ ص ۳۲۶)   جائے گا"

ایک اور ماہرِ لُغت "الزّجاج" کا یہ قول بھی اسی لُغت میں موجود ہے:

"المعنی انهم یلبثون   اور ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس میں
فیها احقابا لا یذوقون فی   احقاب تک رہیں گے۔ یہ ہیں کہ احقاب تک

الاحقاب برداً و لا شراباً	ان کو دوزخ میں نہ کوئی ٹھنڈک ملے گی اور نہ کوئی
وھم خالدون فی النار ابداً	اچھا مشروب ملے گا ۔ اور وہ آگ میں ہمیشہ ہمیشہ
(لسان العرب ۔ ابن منظور جلد ا	کے لیے رہیں گے ۔
ص ۳۲۶)	

عربی زبان کے ایک ماہرِ لغت مفسرِ قرآن علامہ زمخشری نے اپنی مشہور تفسیر " الکشاف " میں لٰبِثِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَحۡقَابًا کی اِسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ :

" احقابا : حقبا بعد حقب	احقاب کے معنی ہیں ایک مدتِ دراز ختم ہونے
کما مضیٰ حقب تبعہ آخر اِلیٰ	کے بعد دوسری مدت ، دراز کا شروع ہو جانا ،
غیر نہایۃ ۔ ولا یکاد یستعمل	لا متناہی طور پر حقب اور عقبہ (جمع احقاب)
الحقب والحقبۃ الاحیث یراد	کے الفاظ کا استعمال صرف ایسی صورت میں ہوتا
تتابع الازمنۃ و توالیھا	ہے جہاں پے در پے ایک زمانہ ختم ہو جانے کے
(الکشاف ، جلد ۴ ، ص ۲۰۹ ، طبع مصر)	بعد دوسرے زمانے کا آغاز ہو جانا ہوتا ہے ۔

مولانا عبد الماجد دریا بادی مرحوم نے قرآن مجید کی اِسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

" اَحقاب کے بصیغۂ جمع آجانے سے کوئی گنجائش دوزخ کے عدم خلود کے قائلوں کے لیے نہ رہی " ۔

(بحوالہ ترجمہ و تفسیرِ قرآن مجید ۔ ص ۱۱۷۰ ، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ)

مولانا امین احسن اصلاحی نے آیتِ مذکورہ کا یہ مطلب تحریر کیا ہے ۔

" لٰبِثِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَحۡقَابًا ، اَحۡقَابٌ کے معنی قرنوں کے ہیں ۔ اس کی وضاحت قرآن میں جگہ جگہ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا کے الفاظ سے ہو گئی ہے ۔ یعنی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ بعض لوگوں نے اس سے طویل مدت مراد لے کر یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ جہنم بالآخر ایک دن ختم ہو جائے گی ، لیکن یہ رائے غلط ہے ۔ زبان کے سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مجمل کی شرح مفصل کی روشنی میں کرتے ہیں نہ کہ مفصل کی شرح مجمل کی روشنی میں ۔ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ مفصل ہیں اور لفظ احقاب مجمل ۔ اس مجمل کو

مفصل کی روشنی میں سمجھیں گے نہ کہ اس کے برعکس۔

علاوہ ازیں یہاں انجام باغیوں اور سرکشوں کا بیان ہوا ہے، جس کے لیے قرآن کے دوسرے مقامات میں یہ تصریح ہے کہ ان کو جہنم سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔"

(تدبر قرآن، جلد ۹، ص ۱۴۳، لاہور، ۱۹۸۳ء)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

" اصل میں لفظ احقاب، استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں پے درپے آنے والے طویل زمانے، ایسے مسلسل اَدوار کہ ایک دَور ختم ہوتے ہی دوسرا دَور شروع ہو جائے۔ اس لفظ سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ جنت کی زندگی میں تو ہمیشگی ہوگی اور جہنم میں ہمیشگی نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ مدتیں خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہوں، بہرحال جب مدتوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اس سے یہی متصور ہوتا ہے کہ وہ لامتناہی نہ ہوں گی بلکہ کبھی نہ کبھی جا کر ختم ہو جائیں گی۔ لیکن یہ استدلال دو وجوہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ عربی لغت کے لحاظ سے "حقب" کے لفظ ہی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ ایک حقب کے پیچھے دوسرا حقب ہو۔ اس لیے احقاب لازماً ایسے ادوار ہی کے لیے بولا جائے گا جو پے درپے ایک دوسرے کے بعد آتے چلے جائیں اور کوئی دَور بھی ایسا نہ ہو جس کے پیچھے دوسرا دَور نہ آئے۔ دوسرے یہ کہ کسی موضوع کے متعلق قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی ایسا مفہوم لینا اُصولاً غلط ہے جو اُسی موضوع کے بارے میں قرآن کے دوسرے بیانات سے متصادم ہوتا ہو۔ قرآن میں ۳۴ مقامات پر اہلِ جہنم کے لیے خلود (ہمیشگی) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور ایک جگہ صاف صاف ارشاد ہوا ہے کہ "وہ چاہیں گے کہ جہنم سے نکل جائیں، مگر وہ اس سے ہرگز نکلنے والے نہیں ہیں اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے" (المائدہ، آیت ۳۷) ...... ان تصریحات کے بعد لفظ احقاب کی بنیاد پر یہ کہنے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ جہنم میں خدا کے باغیوں کا قیام دائمی نہیں ہوگا، بلکہ کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گا؟"

(تفہیم القرآن، جلد ۶، ص ۲۲۹، ۲۳۰)

۲- اُصولِ تفسیر کی دلیل قرآن مجید کی تفسیر کا ایک مسلّمہ اُصول (بلکہ اصل الاُصول) تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی کی روشنی میں کی جائے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ القرآن یُفسِّر بعضُہ بعضًا (قرآن کا بعض اُس کے بعض کی تفسیر کر دیتا ہے)۔

اِس اُصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو قرآن مجید نے چالیس سے زیادہ مقامات پر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ جنت یا دوزخ میں رہنے والے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ہوں گے یعنی وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے گویا قرآن مجید نے خلود فی النار (دوزخ میں ہمیشگی) اور خلود فی الجنۃ (جنت میں ہمیشگی) کی تصریحات خود فرما دی ہیں۔ اور پھر گیارہ مقامات پر اس ضمن میں خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا کے الفاظ آئے ہیں۔ جس کے معنی ہیں کہ "وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُس میں رہیں گے"۔ (ان گیارہ مقامات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ نساء آیت ۵۷، ۱۲۲۔ سورۂ مائدہ آیت ۱۱۹، سورۂ توبہ آیت ۲۲، ۱۰۰۔ سورۂ احزاب آیت ۶۵۔ سورۂ تغابن آیت ۹۔ سورۂ طلاق آیت ۱۱۔ سورۂ جن آیت ۲۳۔ نیز سورۂ بینہ آیت ۸)۔

مزید برآں سورۂ کہف آیت ۳ میں مَاکِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ "وہ اُس میں ابد تک رہنے والے ہیں"۔

پھر سورۂ مائدہ آیت ۳۷ میں ہے کہ کافر یہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں، مگر وہ اس میں سے نکل نہ سکیں گے اور اُن کے دائمی عذاب ہوگا:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ	وہ (کافر) چاہیں گے کہ اُس آگ سے نکل
النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ز	بھاگیں، مگر وہ اس میں سے نکل نہ سکیں گے۔
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ہ	اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہوگا۔

(المائدہ - آیت ۳۷)

جب اتنے کثیر نصوصِ قرآنیہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ جنت اور دوزخ میں خلود ہے: ہمیشگی ہے، دوام ہے اور ابدیت ہے، تو پھر "احقاب" کے لفظ سے کس طرح جنت و دوزخ میں عدمِ خلود ہونے کا ثبوت نکالا جا سکتا ہے؟

ہماری رائے میں اقبال مرحوم نے جنت و دوزخ کے بارے میں جو نظریات قائم کیے ہیں، وہ

درست نہیں ہیں اور قرآن مجید کی واضح تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ علامہ کا ایک خاص فلسفیانہ اور صوفیانہ طرزِ فکر بھی کہیں کہیں جھلکتا ہے۔ یہ بحث بھی اسی کیفیت کے تحت آتی ہے۔ جنت کے بارے میں ایک تصور تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلامِ مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرما دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس جنت کا تعارف کراتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيَ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝ (حٰم سجدہ۔ آیت ۳۱، ۳۲)

اور جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا بہشت میں موجود ہوگی اور جو چیز تم طلب کرو گے وہاں حاضر ہوگی۔ یہ بخشنے والے مہربان خدا کی طرف سے مہمانی ہوگی۔

گویا جنت وہ مقام ہے جہاں وہ ساری نعمتیں اور آسائشیں میسر ہوں گی جن کی تمنا کی جاسکتی ہے۔ اور نفسِ انسانی کی ہر طلب پوری ہوگی۔ جہاں پر ہر پیاس کے لیے سیرابی، ہر بھوک کے لیے سیری اور ہر آرزو کے لیے تکمیل ہوگی۔ جہاں پر کوئی جکڑ بندی، کوئی مجبوری اور کوئی اکتاہٹ نہ ہوگی۔ بلکہ ہر لمحہ نئی تازگی، ہر لحظہ نئی دلچسپی اور دل بستگی کا سروسامان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کا ہمیں یہی تصور دیا ہے کہ اس میں نت نئے ممکنات موجود ہوں گے۔ گنجائش ہے کہ نئے نئے مناظر طلب کیے جاسکیں، خلاؤں میں پرواز کی جاسکے، ستاروں اور کہکشانوں کی سیر ہوتی رہے۔ لیکن اگر مقصود یہ ہو کہ جنتِ الٰہی کے بنیادی قرآنی تصور کے بجائے سرے سے کسی من مانی جنت کی حسرت میں پڑے رہیں تو اس سے حقیقتِ واقعی نہ تو بدلے گی۔ اور قرآن کے بیان کردہ تصور سے ہم دُور رہ جائیں گے۔

پھر یاد رہے کہ اقبال مرحوم ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے ہیں اور ان کی کتاب "پیامِ مشرق" ۱۹۱۸ء میں، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ۱۹۳۰ء میں، اور جاوید نامہ ۱۹۳۲ء میں طبع ہوئی ہے۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، اقبال مرحوم کے جن انگریزی خطبات پر مشتمل ہے وہ ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء میں مدارس مسلم ایسوسی ایشن کی دعوت پر مدارس حیدرآباد اور علی گڑھ میں دیئے گئے تھے۔ اس طرح جنت و دوزخ سے متعلق اقبال مرحوم کے درج بالا نظریات گویا عمر بھر ان کے نظریات رہے۔

اس لیے یہ کہنا غلط ہوگا کہ اُن کے یہ نظریات تو اُن کی ابتدائی زندگی میں تھے، ممکن ہے بعد میں انہوں نے ان سے رجوع کر لیا ہو جبکہ واقعہ یہ ہے کہ جنت و دوزخ کے بارے میں اقبال مرحوم کے مذکورہ بالا نظریات کا تعلق ان کی ابتدائی زندگی سے ہرگز نہیں ہے اور ان سے ان کا رجوع یا برأت اُن کی عمر کے کسی حصے میں بھی ثابت نہیں ہے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ اقبال ہماری قیمتی متاع ہے۔ وہ قافلۂ اُمت کا حُدی خواں اور لشکرِ اُمت کا رجز خواں ہے۔ وہ ہمیں مایوسی اور قنوطیت سے بچاتا، جمود کو توڑتا، خوابیدہ دلوں کو بیدار کر کے انہیں زندگی اور حرکت سے آشنا کرتا ہے۔ وہ ہمیں اُمید اور رجائیت کی تلقین کرتا اور عالمگیر انقلاب اسلامی کی دعوت دیتا ہے۔

ہم اقبال کی شاعرانہ عظمت اور اس کے حکیمانہ فکر کا احترام کرتے ہیں اور اس کے ایمان افروز پیغام سے محبت کرتے ہیں۔ البتہ غیر مشروط اطاعت و اخذ ہدایت صرف نبی پاک سے کر سکتے ہیں۔ نبی تنقید سے بالاتر ہے مگر ہمارا محترم ملی شاعر و حکیم تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ ہمیں خُذْ مَا صَفَا، دَعْ مَا كَدِرَ کے دانش مندانہ اُصول کے مطابق حق بات کی تائید کرنا اور باطل قول کو چھوڑنا ہوگا۔ اقبال شناسی کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ ہم صرف اسی صورت میں اقبال سے انصاف کر سکتے ہیں، اسی میں اقبال کی عظمت پوشیدہ ہے، ورنہ اگر ہم اسے خدا یا نبی بنانے کی کوشش کریں گے تو پھر ہمارے پاس وہ اقبال بھی نہیں رہے گا جس پر آج ہمیں فخر و ناز ہے۔

سیلابِ بلا

نعیم صدیقی

ہماری کشتی سیلابِ عذاب میں ڈانواں ڈول ہوتی ہوئی گذر رہی ہے۔ خطرۂ غرقابی کسی مگرمچھ کے دہن یا کسی بھنور کی آنکھ کی طرح اس کشتی کو ہدف بنائے ہوئے ہے[1]۔

شمالی جانب بیرونی دشمنوں کی بمباریاں، راولپنڈی اسلام آباد میں اوجھڑی ڈپو کی تباہی، پنجاب میں سیلاب کی تند لہروں کا انسانی زندگیوں اور اسبابِ تمدّن کو جھاڑو کی طرح بہالے جانا، سندھ اور کراچی میں نقاب پوش اور بے نقاب تباہ کاروں کی ایسی یورشیں کہ انسانوں اور جائیدادوں اور ذرائع و وسائل کی مکمل غارت گری، غیر ملکی مداخلت کاروں کا کئی اطراف سے ٹوٹ پڑنا، ملک بھر میں مہلک سازشوں کے جالوں کا پھیلاؤ، چھ چھ ماہ کے بچوں کی خونریزی، مادریت اور نسائیت اور بزرگی کی بے توقیری اُدھر سیاست کے جوڑ توڑ، قانونی اور غیر قانونی چالبازیاں، کہیں علمبرداریٔ دین کے انوکھے کرشمے اور کہیں لادینیت کے دھماکے، غیر مُسلم اقلیتوں کا مُسلم لادینیت پسندوں کے پیچھے پاکستان کے استحکام اور ظہورِ اسلام کے "خطرے" کے خلاف صف آرا ہو جانا، گرانیٔ اشیاء، خیانت کاری کے سانپوں اور بچھوؤں کا زور، اِس عالم میں تعیش پسندیاں، اسی ماحول میں ذرائع ابلاغ کے اکھاڑوں میں دروغ کا فروغ اور کردارکُشی اور رندانہ ثقافت کی عشوہ فروشیاں —— اور دُور سیاچن گلیشیر کی ۲۰ ہزار فٹ بلند چوکیوں پر قلتِ افراد، قلتِ رسد اور قلتِ وسائل کے ساتھ جان کی بازی لگانے والے قابلِ فخر نوجوان جن

---

[1] جس وقت ایک خاص فضا میں یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، اس کے تقریباً ایک مہینہ بعد یہ قارئین تک پہنچیں گی۔ نجانے کتنا پانی راوی اور چناب کے پلوں کے نیچے سے بہہ چکا ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ تحریر محض ایک تاریخی ریکارڈ ہی بن جائے۔

کی جنگ کا کوئی اختتام نظر نہیں آتا — خوشی خوشی سے ایک ایک کر کے شہید ہو رہے ہیں۔

نمازیوں اور شہیدوں کی سعادت اپنی جگہ، مگر باقی تمام احوال کیا اس کا پتہ نہیں دیتے کہ سلطنتِ کائنات کا شہنشاہِ حقیقی ہم سے خوش نہیں ہے۔ اس نے ہم پر بہت بہت کرم کیے، مگر ہم نے اس کے الطاف و احسانات سے بہرہ مند ہو کر اور زیادہ سرکشیاں کیں، ہم نے اپنے اندر جرائم اور گناہوں کو پالا، ہم نے ذرا ذرا سے فائدوں کے لیے کمزوروں کو ظلم کا نشانہ بنایا۔ حرام کمائیوں کو فروغ ہوا، حلال کا دائرہ سکڑتا گیا۔ ہم نے تیز طرار اہلِ دولت و جاہ کی خوشامدیں کیں اور اپنے ہاں کے شریف اور ایمانداروں اور دیانت پسندوں اور پاک نگاہوں کو اپنے اندازِ تحقیر سے ضربیں لگائیں اور ان کو پیچھے دھکیلا، نیز شرافت کے ظلم کے ساتھ غریبی کے جرم کی سزا بھی دی۔ ہم نے دینِ اسلام کی وحدت و اخوت کو پارہ پارہ اور اس کے اساسی عقیدۂ توحید کی بیخ کنی کے لیے علاقہ پرستی، لسان پرستی، نسل پرستی، صوبہ پرستی اور سیکولرازم اور سوشلزم کے رنگ برنگے جھنڈے اٹھا کر گروہ بخلاف گروہ مار دھاڑ شروع کر دی۔ ہماری تباہی کے لیے جو کام دشمنوں کو کرنا تھا اسے ہم نے رضاکارانہ طور پر خود اپنے ہی ہاتھوں سے بعجلت مکمل کر دینے کے جتن کیے، تاکہ ہمارے دشمنوں کو تکلیف نہ ہو۔

اس وقت راوی کے سیلاب زدہ وسیع علاقے سے قریب ہونے اور ریڈیو اخبارات وغیرہ سے خبریں معلوم کرنے اور سیلاب زدوں کی خدمت کے کاموں پر نکلنے والے بھائیوں سے ربط کی وجہ سے حسبِ ذیل باتیں میرے نوٹس میں آتی ہیں:

ا — مجموعی طور پر ہماری سرکاری مشینری اور ہماری خدمت کیش تنظیموں اور خاص خاص اداروں کے متعلق پول یہ کھلا کہ پوری طرح تباہی واقع ہونے سے پہلے کوئی کچھ نہ کر سکا۔ اور تندیٔ سیلاب کے ابتدائی مرحلے میں بہت ہی کم اور بہت ہی سست رفتار سے مصیبت زدگان کو امداد دی جا سکی۔[1]

---

[1] جو بھی اچھی خدمات ہوئیں مجھے ان کا دلی اعتراف ہے اور خصوصاً فوجی جوانوں کی بےلوث جفاکارانہ خدمات کا بہت احترام کرتا ہوں۔

۲۔ امداد دینے والے جو نکلنا شروع ہوئے تو ان سے سوگنا تماشائیوں کے ٹھٹ، کچھ گاڑیوں میں، کچھ پیدل بہ طور پکنک جمع ہو گئے اور وہ کاموں میں اتنی رکاوٹ بنے کہ پولیس کو لاٹھی چارج بھی کرنا پڑا۔ مگر لاٹھی چارج سے کیا ہوتا ہے پنجابی مصرعہ ہے:

پُتر نوں کی پند نصیحت، مُورکھ نوں کی پالا؟

۳۔ بات تماشائیوں تک رہتی تو خیر، ساتھ تماش بین بھی موجود! سیلاب زدہ علاقے سے جو لوگ آکر بیٹھتے ان میں کچھ لڑکیاں ہوتیں۔ جہاں کوئی مناسب عمر کی اچھی لڑکیاں نظر آئیں تو لاہور کے مہذب ثقافتی شہر کے گبھرو اُن کی تاک جھانک میں لگ جاتے۔ اور وہ بیچاری جو پہلے ہی کوتاہ لباسی کی ماری ہوئی ہوتیں یوں محسوس کرتیں کہ بُری نظروں نے انہیں بالکل عریاں کر دیا ہے۔

۴۔ تماش بینی بھی ایک منزل ہے۔ اس سے آگے کا مقامِ عظیم ان لوگوں نے حاصل کیا جنہوں نے خالی گھروں (یا ایسے جہاں بے سہارا بچے تھے یا کوئی تنہا بڑھیا) سے مال و متاع لوٹنا شروع کر دیا اور خدمت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ بعض صورتوں میں بچیوں اور بچوں ہی کی دولتِ بیدار کو لے اُڑے۔ بلکہ عورتوں کو بھی۔

میں سوچتا ہوں کہ جس قوم نے ۱۹۴۷ء میں بڑے بڑوں کی دُنیا کو لُٹتے دیکھا ہو، جس نے ۱۹۶۵ء میں بے شمار بستیوں اور گھروں کی تباہی دیکھی ہو، جس نے ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) میں پاکستانیوں کو شہید اور پھر قیدی بنتے اور مال و جائیداد سے محروم ہوتے دیکھا ہو اور جس قوم کی آنکھوں کے سامنے عبرت کے ٹیلی وژن پر اوجھڑی کیمپ کا سماں دکھا دیا گیا ہو، اس میں انسانوں کو بے وقعت اور مال و املاک کو گراں قدر قرار دینے والے کہاں سے آگئے۔

تمہارے سامنے موت کا رقص جاری ہے، کثیر التعداد جنازے اُٹھتے ہیں، ہسپتال لاشوں اور زخمیوں سے بھر گئے ہیں۔ گھر گھر سے یا تو چیخیں اور سسکیاں بلند ہو رہی ہیں، یا پتھرائی ہوئی آنکھوں اور بھیانک سناٹے سے سابقہ ہے۔

پھر اگر تمہیں احساس نہیں ہوتا تو کیا تم درندے ہو؟

تم دُنیا کے ان سرابوں اور نظر کے فریبوں پر لٹو ہوتے ہو، جو تمہارے سامنے حباب بن جاتے ہیں۔

۵۔ میخانۂ سیاست کے متوالے جنہوں نے قریب آمدہ انتخابات کے تازہ تازہ جام چڑھائے

ان میں سے اکثر محض اس لیے خدمت کے میدان میں آگئے ہیں کہ ان کے نام چھپ جاتے اور کیمپوں کی تصویریں چھپ جانے سے ووٹوں کی منڈی میں ساکھ بڑھ جائے گی۔ کچھ لوگ جو پہلے سے اس قسم کے کام کرتے رہے ہیں، بلکہ پاکستان کے روزِ اول سے کرتے رہے ہیں۔ ان کا وجود نئے سیاسی خدمتگاروں کے انبوہ کثیر میں گم ہو گیا ہے۔

خدمت جب سیاست کے تابع ہو جائے تو اس کی یہ برکت نہیں ہوتی کہ دلوں میں خدا خوفی اور اس کے بندوں کے لیے سچی محبت و اخوت پیدا ہو۔

۶ — تماشائیوں میں سے ایک خاص عنصر کا یہ کارنامہ بھی ریکارڈ پر رہنا چاہیے (اور اخبارات میں آ چکا ہے) کہ شہر کے مخیر لوگ جو دیگیں پکوا کر سیلاب زدگان کے لیے بھیجتے ہیں، ان میں سے یہ عنصر زور زبردستی اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔ پھر جو بچ رہے وہ مصیبت کے ماروں کے لیے۔ گویا یہ لوگ گھنٹوں کا وقت تفریح میں گذارنے کے لیے سیلاب زدگان سے ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ یہ ایک نیا شگوفہ کھلا ہے جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔

۷ — مجھے چند ایسی خواتین کا علم ہے جو خود بتا گئیں کہ جب جہاں سیلاب زدگان کے کھانے پینے کے لیے کچھ بٹتا ہے تو ہماری بستی کے گھروں سے لوگ بھی پہنچ جاتے ہیں۔ وہ برابر کا حصہ وصول کرتے ہیں۔ اب اسی خیر کا پیمانہ ذرا بڑھا کر سوچ لیجیے۔

۸ — خدا اور اس کے دین کو برطرف کر دینے کی وجہ سے ایک عذاب یہ وارد ہوا ہے کہ تفریحی اسکرین اور اسٹیج کے لوگ —— ہیرو اور ہیروئنیں، اداکار اور اداکارائیں، گلوکار اور گلوکارائیں ایکٹنگ کے اطوار کے ساتھ، نگاہوں کے غمزوں کے ساتھ اور جانِ موسیقی بننے والی آوازوں کے ساتھ لشکر در لشکر ٹرک لے کر ایک ایک بازار میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اب سیلاب زدہ علاقے میں بہ نفسِ نفیس مع اپنے شاندار لباسوں اور میک اپ کے ساتھ جا رہے ہیں۔

یہ بھی ایک نیا تجربہ ہے جو مصیبت کے وقت سامنے آیا ہے۔ دراصل ایک بڑا تغیر جو معاشرے میں پچھلے چند برس میں ذرائع ابلاغ کے ذریعے آیا ہے وہ یہ ہے کہ اس خاص عنصر کو جو بالعموم کنارے رہتا تھا، اُسے اب اٹھا کر ہمارے سروں پر بٹھا دیا گیا ہے۔ ہر روز ان کی کئی کئی تصاویر کا چھپنا، ان کے مقولوں اور فقروں کو سرخیوں میں ڈھالنا، ان کے انٹرویو لے کر چھاپنا۔ ان کی ذاتی اور گھریلو

زندگی اور اُن کی فن کارانہ صلاحیتوں کے ارتقاء کا ایک ایک پہلو نمایاں کرنا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب اِس ملک میں تین ہی طبقے رہ گئے ہیں — سرمایہ دار و جاگیردار — وزراء اور اسمبلی کے ممبران اور ایکٹر اور گلوکار وغیرہ۔

اور دلچسپ یہ رو بہ کہ جوکر کو قوال کو ڈانٹنے لگے۔ مطلب یہ کہ اس طبقے کی سبلابی اداکاری پہ دوسروں کے لیے تو ٹوکنا ناروا ہے، البتہ یہ گروہ تنقید کرنے والوں کے منہ آرہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہم رقص و نغمہ والے لوگ غمزدہ عوام میں خوشیاں بانٹ رہے ہیں۔ یہ خوشیاں بانٹنے کا فلسفہ بھی عجیب ہے۔ ایک بادہ فروش بھی یہی کہہ سکتا ہے کہ میں خوشیاں بانٹ رہا ہوں، طوائفیں بھی اس دعوے کے ساتھ نکل کھڑی ہوں گی کہ ہم خوشیاں بانٹنے والا طائفہ ہیں، ہر جوئے خانے میں خوشیاں بٹ رہی ہیں۔ اور انہی خوشیوں کا سیلاب ہے جو معاشرے سے خدا خوفی، خشیت، احساسِ عبدیت اور انسانیت کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو بہالے گیا ہے۔ انبیاء خوشیوں کے چشمے جاری کرنے نہیں آتے رہے۔ وہ ایمان، ہدایت، عبادت، نیکی اور پابندیٔ حدود کا درس دینے کے لیے مبعوث ہوئے۔ یہی راستہ انبیاء کے پیروؤں کا راستہ ہے۔ اور اس راستے پر چلنے والوں کو چاہے بہت آلام و مصائب بھگتنے پڑیں، لیکن انہیں "سکینت" اور فلاح حاصل ہوتی ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی متاعِ مطلوب سکینت و فلاح ہے، جو علامت ہوتی ہے قربِ الٰہی کی اور آخرت میں بخشش کی لے

جدید ملحدانہ تہذیب کا کمال یہ ہے کہ خوشیوں کے پھولوں کی بارش کرتی رہتی ہے مگر ہر پھول کے نیچے

لے آج کل اخبارات کی خبریں اور تردیدیں عجیب ہوتی ہیں۔ متذکرہ جلسے اس رپورٹ کے تحت لکھے گئے جو جنگ ۴ اکتوبر میں "کلچرل رپورٹر" کے حوالے سے شائع ہوگئی، مگر ۴ اکتوبر کو فلم انڈسٹری کے نمائندوں کا اپنا اخباری بیان شائع ہوا، جس میں تردید کی گئی کہ ہم نے اس طرح کی باتیں نہیں کہیں اور نہ ایک سیاسی جماعت کی مخالفت کی ہے، نہ ہم شہرت چاہتے ہیں اور نہ ہمیں اخباری بیانوں کی فرصت ہے۔ ہم صرف خدمت کا کام کر رہے ہیں۔ (خلاصہ) مگر کلچرل رپورٹر صاحب نے جو مواد ۳ اکتوبر کو لاکھوں افراد تک پہنچا دیا تھا، اس کی وہ خود بھی تردید کرتے۔

اضطراب کے کانٹے اور انجام بد کے افعی چھپے ہوتے ہیں۔ اور اس تمدن کے بوکھلائے ہوئے انسان کا حالِ زار دیکھ لیجیے۔ بس اسے یہ فن سکھا دیا گیا ہے کہ جب آنسو بہت بہنے لگیں تو زور سے قہقہہ لگا دے۔

۹۔ عذاب کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ لوگ ذہنی طور پر بہت پراگندہ ہیں۔ نہ جماعتوں میں حقیقی اجتماعیت ہے، نہ لیڈروں میں کوئی اعلیٰ فکر اور روشن کردار ہے۔ عام افراد بھی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ جہاں جاؤ دو آدمیوں میں سے ایک کہے گا فلاں شخص برا ہے، دوسرا کہے گا وہ تو بہت اچھا ہے۔ کہیں یہ بحث کہ فلاں پارٹی دوستی کے قابل ہے، جواب یہ کہ اس کے کرتوتوں کا ریکارڈ بڑا خراب ہے۔ کسی اخبار کے کالم میں یہ سیاسی نکتہ کہ عبوری دور کی وزارتیں ختم ہو جائیں تو جمہوریت پورا جلوہ دکھائے گی، کسی دوسری جانب یہ رائے کہ وزارتوں کے ختم ہونے سے نظامِ کار میں بڑا خلل واقع ہوگا۔ کسی محفل میں یہ قصہ درپیش کہ بار بار کے مارشل لا نے قوم کو خستہ حال کر دیا ہے، مقابل فریق کہتا ہے کہ جمہوریت جب بھی نمودار ہوئی تو قوم پر کوئی بھاری وبال ٹوٹ پڑا۔ زبان کے معاملے میں، تعلیم کے معاملے میں مہنگی فیسوں والے انگلش میڈیم اسکولوں کے متعلق، ٹیکسوں کے متعلق گرانی کے بارے میں، ایڈ اور قرضوں کے موضوع پر، تخریب کاری کے سلسلے میں، جہاد افغانستان کے عنوان کے تحت ـــــ اور ہر چیز کے متعلق جا بجا بحثیں ہیں، بحثوں سے بڑھ کر سر پھٹول ہے، سر پھٹول سے آگے نکل کر کلاشنکوفوں کی آتش باری ہے۔ کوئی کسی کی دلیل نہیں سنتا، کوئی کسی سے معقول بات قبول نہیں کرتا۔ کوئی کسی کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے خندہ پیشانی اختیار نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اور ہر گروہ اور ہر فرقہ اور ہر عالم اور ہر لیڈر اور ہر ایڈیٹر اپنی اپنی جگہ قطب صاحب کی لاٹھ ہے کہ زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد۔ کوئی سوال ہی اٹھتا نہیں کہ علم و عمل کی کمی کے ساتھ انا کے قامت کا کیا تناسب ہے؟ کوئی قابلِ غور بات یہ نہیں کہ کوئی صاحب کس بنا پر کتنی اتھارٹی کے ساتھ کس کے سامنے پہلوان بنے للکار رہے ہیں؟ پورا معاشرہ ایک دنگل ہے، جس میں خیالات، عقیدے، رائیں چاروں طرف سے امڈ امڈ کر ٹکرا رہی ہیں۔ اور ہر شخص اس خیال میں ہے کہ سارا خلوص اور ساری صداقت اس کے نام الاٹ ہو گئی ہے اور اس کا کام دوسروں سے اپنی بات منوانا اور ٹھونسنا ہے، کسی سے سمجھنے کا کوئی معاملہ نہیں۔

اس صورتِ حالات نے آپس کی محبتیں فنا کر دی ہیں۔ اعتماد کے رشتے توڑ ڈالے ہیں، ہم دمی، ہم قدمی اور ہم منزلی کے جذبے ملیامیٹ کر دیئے ہیں۔ کسی آدمی کے سامنے آتے ہی ایک خوف و اندیشہ

مسلط ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی نہ جانے کس بحث کا چھڑا ڈبہ سے نکال لے گا۔ اب تو خدا کی باتیں، نیکی کی باتیں اور خدمتِ انسانیت کی باتیں کرتے ہوئے ڈر آتا ہے کہ آیا متکلم اپنی عزت کو سنبھال سکے گا یا نہیں۔

کتنا بڑا عذاب ہے جس سے ہمارا کوئی متنفس محفوظ نہیں۔

۱۰۔ پھر غالب بحثیں اور مکالمے دُنیوی معاملات اور سیاست اور اسمبلیوں اور پارٹیوں اور حکومت اور لیڈروں کے متعلق، سندھ اور پنجاب کے متعلق، بہاریوں اور کالا باغ ڈیم کے متعلق، ایم کیو ایم اور پٹھانوں کے متعلق، آمدنیوں اور اخراجات کے متعلق، تقریبوں اور تفریحوں کے متعلق، پلاٹوں اور عمارتوں کے متعلق ہوتے ہیں۔ اِس سطح سے اُوپر کی چیزوں کو ہم بصول بھلا بیٹھے ہیں۔

مجھ سے بہت سے افراد کی ملاقاتیں اور "آدھی ملاقاتیں" ہوتی ہیں۔ مجھے صدمہ ہے کہ چند سال سے بہت کم ایسا ہوا کہ کوئی صاحب دین کی کوئی اصولی بات، قرآن کی کوئی آیت، حدیث کا کوئی مسئلہ سامنے لائے ہوں۔ بہت سی مجلسوں کو ان چیزوں سے خالی پایا۔ بہت سے جلسوں اور تقریبوں میں یہ پاکیزہ عنصر نہ تھا۔ ان کے سوا بہت باتیں ــــ باتیں ہی باتیں۔

ہم لوگوں نے پچھلے دس پندرہ سال میں ملک میں پھیلے ہوئے عوام کے پاس جا جا کر اور ملاقاتیں کر کر کے، چھ چھ ماہ صرف کر کے خدا کی باتیں اس طرح نہیں پہنچائیں کہ ان کے دلوں میں چراغ روشن ہو جاتے۔ آج حال یہ ہے کہ باہر کے لوگ تو الگ رہے، سیلاب کی زد میں آنے والے اور کلاشنکوفوں کا ہدف بننے والے اور عبرت کے اُن مناظر کو دیکھ کر بچنے والے اکثر لوگ خدا خوفی، توبہ و استغفار، اِنابت و عبادت، ذکر و دُعا کی حیات افروز اور اُمید افزا نورانیتوں سے دُور ہیں جس خدا کے ہاتھ میں حوادث کی ساری باگیں ہیں، اُس کی طرف توجہ کرنے والے بہت کم ہیں۔

اپنی جگہ یہ تباہی اور یہ مصیبت زیادہ بڑی ہے۔ بمقابلہ سیلاب اور کلاشنکوفوں کے! اور اس کے چھا جانے کا باعث ہماری اور تمام دینی جماعتوں کی یہ کوتاہی ہے کہ انہوں نے بچے بچے تک بار بار پیار اور محبت سے خدا کا پیغام پہنچانے کی پوری کوشش نہیں کی۔ خصوصاً شو بزنس کے بڑھنے کا یہ دور، ٹیلی وژن اور وی سی آر کا یہ دَور، ثقافت کی پریوں کے رقص و سرود کا یہ دَور، معیارِ زندگی کو بڑھانے کے لیے دولت کی سڑک پر دُنیا پرستی کی مجنونانہ مسابقت (RACE) کا یہ دَور، شریعت دشمنی

اور لادینیت پسندی کا یہ دور، سرخ و سفید سامراج کی طرف سے اسلامی عقائد و اقدار کی تباہی مچانے کا یہ دور ــ اس میں جس زور و شور سے ملت کے ایک ایک فرد اور آسمانِ پاکستان کے ایک ایک ستارے تک پہنچتے اور اس کو گلے سے لگا لیتے اور اس کے سینے میں نورِ محمدی کی شعاعیں اُتار دیتے اور ان شعاعوں سے دل و دماغ کے چراغ روشن کر دینے کی ضرورت تھی، افسوس کہ جن کی یہ ذمہ داری تھی وہ اسے پورا نہ کر سکے۔

کیا اب چند سال کی سرتوڑ محنت سے اس کوتاہی کی تلافی کرنے پر ہم اور دوسرے محبانِ دین تیار ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو تو ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے اجتماعی وجود کا انجام کیا ہوگا۔ لیکن اگر جواب اثبات میں ہو تو بڑے سے بڑے بگاڑ کو خیر و فلاح سے بدلا جا سکتا ہے۔

سیلاب سے متعلق ایک مسئلہ خصوصی طور پر قابلِ غور ہے۔

ہمارے دریاؤں کا پانی بھارت نے خرید کر جب اُن پر ڈیم بنا لیے اور ان کا بہاؤ اپنی زمینوں کو زرخیز بنانے کے لیے تبدیل کر لیا تو اب اُسے اس اُصولِ انصاف کو تسلیم کرنا چاہیے کہ جو جس چیز سے فائدہ اٹھائے، اس کا نقصان بھی وہی برداشت کرے۔ اگر یہ نقصان پاکستان کی سرزمین اور آبادی اور دولت و وسائل کو پہنچے تو اس کا تاوان اُسے ادا کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اس بار تو بھارت کی طرف سے پانی کی آمد، اس کے وقت اور اس کی مقدار کی پیشگی کوئی مکمل اطلاع نہیں دی گئی۔ اس صورت اس کی ذمہ داری اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔

لیکن بنیادی طور پر تو ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ وہ سیلاب کا پانی جمع ہو جانے پر ہماری جانب کا کوئی بند نہ توڑے بلکہ اپنی ہی سرزمین پر اس کے بہاؤ کا انتظام کرے۔ اگر اُدھر سے کوئی کوتاہی ہو تو راوی اور ستلج پر ایسے پشتے اور بند تعمیر کیے جائیں جو پانی کو پاکستان میں داخل ہونے سے روکیں۔ اس کا بہاؤ بھارت کی طرف موڑ دیں۔ کسی معاہداتی طریق سے بات طے ہو سکے، یا اقوامِ متحدہ میں بحث اُٹھا کر کامیابی حاصل کی جا سکے۔ یا پھر عالمی عدالت میں یہ قضیہ حل کرایا جائے۔

اگر یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو خطرے کی یہ تلوار ہمارے سروں پہ لٹکتی رہے گی کہ بھارت کسی بھی موقع جارحیت پر دریاؤں کے بند اوپر سے کھول دے یا توڑ دے اور آدھا پنجاب (خصوصاً وسطی حصہ) زیرِ آب آ جائے، تباہی اور معاشرے کی پریشانی اپنی جگہ، نقل و حرکت کرنا بھی ممکن نہ ہو، کہیں کیمپ نہ لگائے جا سکیں، مورچے نہ بن سکیں۔ بجلی سے وسیع علاقہ محروم ہو جائے، پھر آخر دفاع کی ذمہ داریاں کیسے پوری کی جا سکیں گی۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اُدھر سے اچانک جارحانہ یلغار شروع ہو اور ادھر عین اس وقت جب کہ ہمارے عساکر سفر کر رہے ہوں اور توپیں وغیرہ جگہ جگہ نصب ہوں، یکایک پانی کا لشکر بھی بھیج دیا جائے۔ اس صورت میں کیا حل ہے؟

میرا خیال ہے کہ اعلیٰ ترین ذمہ داروں کو اس مسئلہ کے متعلق "فول پروف" حد تک اطمینان بخش حل نکالنا اور عمل میں لانا چاہیے۔

رسائل و مسائل

آیتِ کریمہ کا وِرد

جناب مولانا عبد المالک صاحب

سوال :- بعض لوگ اولادِ نرینہ کے حصول کے لیے اور بعض پریشانیوں، مصائب اور بیماریوں سے بچنے کے لیے ایک عرصے سے پاکستانی گھروں میں جمع ہو کر اجتماعی طور پر آیت کریمہ کا ورد کرتے رہے ہیں۔ اس محفل میں کچھ حضرات اسے بدعت سمجھ کر شامل نہیں ہوتے تھے۔ اب پاکستان میں قومی خلفشار سے بچنے کے لیے، کراچی میں ہونے والے فسادات سے بچنے کے لیے اور قومی یکجہتی کے حصول کے لیے ذرا وسیع پیمانے پر آیت کریمہ کا وِرد اجتماعی طور پر شروع کیا جا رہا ہے۔ اب سنت و بدعت کا سوال اسی نسبت سے بڑھ کر زیادہ وسیع اور اہم ہو گیا ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ اپنے قیمتی وقت سے چند لمحات نکال کر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری راہنمائی کرنے پر جزائے خیر دے۔ آمین۔

○ کسی پریشانی یا مصیبت کو دُور کرنے کے لیے یا کسی بھی مقصد کے حصول کے لیے اجتماعی طور پر لوگوں کو دعوت دینا، اعلان و اہتمام کرنا کہ فلاں دن آیت کریمہ کا وِرد ہو گا، بدعت کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں؟ (انفرادی وِرد یا توبہ و استغفار زیر بحث نہیں)

○ کیا حضورؐ کی بعض اجتماعی دعاؤں سے یا حضرت یونسؑ کے آیت کریمہ کے وِرد سے (گو کہ انہوں نے انفرادی وِرد ہی کیا تھا) اس فعل کے سنت ہونے کی دلیل کافی نہیں؟

○ کیا یہ فعل یا اسی قسم کا کوئی دوسرا فعل جو شریعت میں ممنوع نہ ہو بدعت قرار دیا جا سکتا ہے؟ (دلیل یہ دی جا رہی ہے کہ جس چیز کو حضورؐ نے منع فرمایا ہو اسی کا ارتکاب بدعت

ہے ورنہ سب نئی چیزوں کا استعمال مثلاً لاؤڈ اسپیکر، موٹر کار، ریل گاڑی اور جہاز وغیرہ، بدعت ہوگا۔

جواب: آیت کریمہ پڑھ کر دعا کرنا آفتِ "سماوی" کو دفع کرنے کے لیے تو مروج رہا ہے اور "آیتِ کریمہ" کو خاص مقدار میں پڑھنے کی ضرورت کی خاطر اجتماعی خواندگی بھی ہوتی رہی ہے۔ لیکن انسانوں کو راہ راست پر لانے اور ان کو جاہلی تعصبات سے نکالنے کے لیے آیت کریمہ کا ورد اور اجتماعی دعا کا فلسفہ کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

اگر اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کو ختم کرنا ہوتا ـــ تو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین اہلِ ایمان کی اصلاحی جدوجہد اور اس راہ میں قربانیاں دینا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ان حضرات سے سنت و بدعت کی بحث میں اُلجھنے کے بجائے ان کو مسئلے کا اصلی اور صحیح حل سمجھانے کی کوشش کریں۔ جہاں تک سنت و بدعت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ جو فعل فی نفسہٖ جائز ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلفِ صالحین نے اُسے اجتماعی طور پر نہ کیا ہو اُسے ثواب سمجھ کر اجتماعی بنانا بدعت ہے۔ لیکن اگر کسی دوسری وجہ سے اجتماعی بن جائے جیسے ایک وظیفہ کی خاص مقدار پڑھنا ہو اور اُسے اکیلا نہ پڑھا جا سکتا ہو تو اس کے لیے اجتماع کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اُسے سنت نہ سمجھا جائے۔

استدراک

قضائے فوائت سے متعلق ایک سوال کا مختصر جواب دیتے ہوئے میں نے یہ لکھ دیا تھا کہ صبح کی نماز کے بعد فوت شدہ فرائض کی قضا نہیں ہو سکتی۔ اس مسئلے میں مجھ سے تسامح ہوا ہے۔ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب سے قبل بھی فرائض کی قضا جائز ہے۔ البتہ عین طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور عین نصف النہار کے اوقات میں ہر طرح کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (غلام علی)

مطبوعات

سہ ماہی فکر و نظر کا خاص نمبر | بہ اہتمام ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵، اسلام آباد۔ پاکستان
صدر مجلسِ ادارت : ڈاکٹر شیر محمد زمان صاحب۔ قیمت یا چندے کا علم نہیں ہو سکا۔

یہ تو اصحابِ مطالعہ کو پہلے سے معلوم ہے کہ رسالہ فکر و نظر بہت اچھا دینی، علمی اور تحقیقی مجلّہ ہے، اس کے جنوری اور مارچ (۱۹۸۸ء) کے شماروں کو ملا کر ۳۰۶ صفحات کا ایک خاص نمبر بیاد مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم (سابق سربراہ دارالمصنفین اعظم گڑھ) پیش کیا گیا ہے۔ بڑا وقیع نمبر ہے، بہت سے مقالات و مضامین ہیں جن میں سید صباح الدین صاحب کی شخصیت اور خدمات کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا اور دکھایا گیا ہے۔

حکیم سعید صاحب نے مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن کی مولفات پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے۔ یہ ہیں ۱۶ شہرہ آفاق کتابیں۔ ان کا دائرہ تحریر صرف مذہبی و فقہی ہی نہیں ہے، ادبی و تنقیدی بھی، اور تاریخی و سیاسی بھی۔ مثلاً بڑی اہم کتاب لکھی "غالب مدح وقدح کی روشنی میں"۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ اس پہ تفصیلی کلام ڈاکٹر خورشید رضوی نے کیا ہے۔ انہوں نے مسلم سلاطین کی عسکری حکمتِ عملی اور حربی تکنیک، محمد بن قاسم کے فوجی مراکز اور چھاؤنیوں کی تفصیلات، اور بزم صوفیہ جیسے مختلف موضوعات پہ کام کیا — غالب والی بحث تو ایسی دلچسپ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ آدمی اس وادی میں گھس جائے۔ مگر مجبوری! اس طرح سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر جو کچھ انہوں نے لکھا، اس کا جائزہ محمد طفیل کے قلم سے شامل ہے۔

سیرۃ النبیؐ جلد ہفتم (اسلام کے سیاسی نظام — اصول و مبادی) کا طویل مقدمہ سید صباح الدین

عبدالرحمٰن کا لکھا ہوا ہے۔ اصل متن سید سلیمان ندوی زندگی میں مکمل نہ کر سکے۔ نوٹ وغیرہ جمع کیے۔ بعد میں کتاب آئی تو مولانا سید سلیمان ندوی کے نام سے آئی اور یہ سمجھنا مشکل ہوگیا کہ کون سے اجزا مولانا ندویؒ کے تحریر کردہ ہیں اور کون سے سید صباح الدین مرحوم کے۔

البتہ ڈاکٹر یوسف عباس ہاشمی صاحب نے جو خلاصۂ مباحث مع اقتباسات پیش کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا ذہن صاف نہیں بلکہ وہ ایک حقیقت پر زور دینے کے بعد کچھ آگے چل کر اسی کے خلاف کوئی بات اُٹھا دیتا ہے۔ کہیں وہ زمانۂ قبل خاتم النبیینؐ کے منسوخ شدہ طریق پادشاہت (اسلامی)، کا حوالہ دے کر یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام کا کوئی متعین نظام نہیں اور ہر نقشۂ سیاست میں وہ کام کر سکتا ہے۔ کبھی یہ سوال کہ معاشرہ اسلامی معیار کا نہیں، اسے بنایا کیسے جائے؟ کبھی یہ نکتہ کہ خلافتِ راشدہ کے بعد کی حکومتیں اور معاشرے بھی اسلامی ہی تھے۔ یہاں پھر تخیلی قلم کو کھینچتے ہیں مگر قلم کا دائرہ محدود ہے۔ اسی طرح مسئلہ اجتہاد کے متعلق بھی مرحوم کی بات سے بات نکلتی ہے۔

پھر سید صباح الدین صاحب کا ایک بڑا کام مستشرقین کے متعلق سیمینار کا انعقاد اور اس کی کارروائی اور مقالات کی اشاعت ہے۔ میرے خیال کے مطابق آج اس دائرہ میں مکمل و جامع کام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

۳۰ اگست ۱۹۷۶ء کو مولانا سید صباح الدین نے دارالمصنفین کی طرف اس معاہدے پر دستخط کیے کہ حکومت پاکستان ان کو پندرہ (۱۵) لاکھ روپے ادا کر کے دارالمصنفین کی ۱۱۵ کتب کے حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں نیشنل بک فاؤنڈیشن کو تفویض کر دے۔ یہ بہت اچھا ہوا۔ اس معاہدے کی وجہ سے دارالمصنفین کی کتابوں کا پاکستان میں ناجائز طور پر چھپنا بند ہوا اور ادھر دارالمصنفین کو ایک معقول رقم اپنے ادارے کو مضبوط کرنے اور چلانے کے لیے مل گئی۔

ادارے سے درخواست ہے کہ خدا کے لیے ٹائپ سے ہمیں بچایئے۔ اب تو کمپیوٹرائزڈ پریس اخبارات تک دلکش نستعلیق رسم الخط میں چھاپ رہے ہیں۔ بہت جلد معیار، مصارف بھی کم ہو جائے گا۔

اقبال اور عشقِ رسالت مآبؐ | مؤلف: پروفیسر سیّد محمد عبدالرشید فاضل ۔ ناشر: ادارۂ تنویرات علم و ادب، پیر الٰہی بخش کالونی ۔ سفید کاغذ پر چھپی ہوئی مجلّد ۱۹۲ صفحات کی کتاب قیمت ۔/۴۰ روپے ٹائیٹل آرٹ کارڈ کے ساتھ قیمت درج نہیں ۔

پروفیسر صاحب ہمارے دیرینہ فاضل دوست ہیں اور ان کی علمی و ادبی خدمات کا اعمال نامہ بہت دلکش ہے ۔ خاص طور پر علامہ اقبال کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے ۔ اب ان کی ایک اہم کتاب کی دوسری اشاعت پیش نظر ہے ۔

مؤلف کی کلام پر نظر ہے ۔ موضوع سے متعلق اہم مقامات سے استفادہ کیا ہے شعری انتخاب اچھا ہے ۔ زبان اور اندازِ بیان بہت مؤثر ہے ۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ مصنوعی مضمون نگاری نہیں ہے بلکہ بین السطور میں پروفیسر صاحب کی خدماتِ قلبی کی لہریں حرکت کر رہی ہیں ۔

اقبال کے کلام میں پورے پورے فنی کمال اور "بر دل ریزد" کی شان کے ساتھ یہ مقصدِ وحید مصرع بہ مصرع اور نقطہ بہ نقطہ پھیلا ہوا ہے کہ مسلمان افراد قرونِ اُولیٰ کے جذبۂ ایمانی اور خصوصاً محبتِ نبویؐ کے ساتھ اور دوسری طرف ملّتِ اسلامیہ قرآنی اساساتِ اجتماعیت پر اُٹھ کھڑی ہو تو اس دُنیا کو امن و عدل کی جلوہ گاہ بنایا جا سکتا ہے اور خود مُسلم فرد اور مُسلم قوم کو بڑے سے بڑا عروج علمی، سیاسی، اقتصادی، اخلاقی، سماجی اور تہذیبی لحاظ سے حاصل ہو سکتا ہے ۔

اس کتاب کو پڑھ کر یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ اقبال نے اپنی پھیلی ہوئی فکر کو جس نقطۂ معیّن کے گرد سمیٹا ہے وہ جنابِ رسالتمآبؐ کی ہستی ہے کہ "دین ہمہ اوست" ۔ شعر اور فلسفہ کی وادیوں میں اقبال کی تگ و تازِ لامحدود کے مختلف پہلوؤں کو الگ الگ لے کر کئی کئی طرح کے نتائج نکالے جا سکتے ہیں اور عملاً نکالے گئے ۔ بلکہ طرح طرح کے افکار اور فلسفے ان کے کلام کے حوالے سے ان کے منہ میں ڈالے گئے ۔ مسیحِ اقبال کی ان مساعی کا توڑ اقبال کا جذبۂ عشقِ نبیؐ ہے ۔ وہ ہر طرف سے کھینچ کھانچ کے وہاں لے جاتا ہے کہ " اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است " (اگر اس ہستی تک رسائی نہ ہوئی تو پھر سب کچھ بولہبی کی تعریف میں آئے گا) ۔

سیّد محمد عبدالرشید نے کلامِ اقبال سے " تعلق بالنبیؐ " کے متعلق مؤثر رہنمائی اخذ کی ہے اور خاص طور پر اس جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ علامہ نے اپنے مقصد کے لیے نعت کے بے جان

روایتی اسلوب کو بھی بدل ڈالا اور نئی روایات کے ذریعے سے بہت ہی بامقصد بنا دیا۔

اقبال کے کلام میں عشقِ نبیؐ اور مقامِ نبوت کے متعلق جو کچھ جن جذبات و اسالیب کے ساتھ کہا گیا ہے وہ ایک طرف فتنۂ انکارِ حدیث کے سدِ باب کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف بگٹٹ قسم کے سیکولر اجتہادیوں کا راستہ بھی روکتا ہے۔ دین کے نظام میں سے نبیؐ کے اقوال و اعمال کو نکال لیجیے تو پھر آپ قرآن کی آیات سے جو کھیل کھیلنا چاہیں، کوئی دشواری نہیں رہتی۔

یہ کتاب مظلوم بھی ہے کہ اسے ۱۹۷۶ء سے انڈیا کے ایک صاحب نے مسلسل چھاپا۔ اور اس کا علم مؤلف کے صاحبزادے کو ۱۹۸۳ء میں ہوا۔ پھر یہ معاملہ معلوم نہیں کس انجام کو پہنچا۔ مگر اس کا تازہ ایڈیشن اب یہاں شائع ہو گیا ہے۔

چھوٹی سی یہ کتاب بہت افادیت رکھتی ہے۔

المعارف۔ خصوصی شمارہ (۸) | مدیران جناب سراج منیر و مولانا محمد اسحٰق بھٹی، باہتمام: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ ۲ کلب روڈ لاہور۔ قیمت فی شمارہ ۱۵/- روپے (سہ ماہی) سالانہ ۴۰/- روپے

لفظِ ثقافت جس کے معنی آج معمولاتِ فرنگ سے طے ہوتے ہیں، ہمارے مدیرانِ المعارف اس قفسِ معنی کو توڑنے کے لیے جو جانفشانیاں کرتے رہتے ہیں، ان کی اگر قدر نہ کی جائے تو شاید "گناہ لازم" کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

بنگلہ زبان میں قرآن کے تراجم و تفاسیر (لطیف الرحمٰن فاروقی) ایک اہم مضمون ہے۔ پھر حضرت یونسؑ اور وصیل مچھلی کا معجزہ (شیر محمد سید) آتا ہے پھر "باطن کی آگہی" نفسیاتِ جدیدہ کے ساتھ اسلامی نقطۂ نظر سے اجتہادی تصورات پر ڈاکٹر محمد اجمل کی بحث ہے جس کا ترجمہ شہزاد احمد نے کیا ہے۔ نفسیات کی بحث، ڈاکٹر اجمل کا دماغ اور شہزاد احمد کا ترجمہ ـــــ آدمی ہر فقرے پر ضرورت محسوس کرتا ہے کہ طویل مراقبہ کرے۔ یعنی بحث دلچسپ اور دماغ آزما ہے۔ پروفیسر محمد اختر صدیقی کا موضوعِ کلام اہم ہے اور مضمون سلیس۔ کیا کہنے ہیں مولانا محمد اسحٰق بھٹی کے جنہوں نے امام ابن تیمیہؒ جیسی لمعان و تاباں شخصیت کے اُن اثرات کا جائزہ لیا ہے جو برِ صغیر میں پڑے ہیں۔ یہ بھی امام صاحب

سے خصوصی دلچسپی رکھتا ہوں مگر افسوس کہ ملت نے امام صاحب سے پورا فائدہ نہ اٹھایا اور آج کے دور میں فکرِ امام کے احیا بہ اندازِ جدید کی جو ضرورت ہے اُسے کوئی پورا کرنے والا نہیں۔" مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی" (عبد الرسول قادر بلوچ) اچھی تاریخی تحقیق ہے۔ "حضرت شاہ ہمدان اور کشمیر" (ڈاکٹر بدر الدین بٹ) بھی خوب تحریر ہے۔ "ظہیر الدین بابر کے مذہبی رجحانات" (طاہرہ حبیب) "قرونِ وسطیٰ میں اسلامی کتب خانوں کی تنظیم" (محمد فاضل خاں بلوچ) "شاہ بورسالو کی تدوین و تالیف" (پروفیسر رحمت فرخ آبادی) "فارسی کا ایک فراموش شدہ شاعر — شعری قادری" (ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی) "مثنوی نیئ نامہ" (ملی ارشد) "لمعہ حیدر آبادی کے نام اقبال کے خطوط" (پروفیسر اکبر رحمانی) "اسلام امن و سلامتی کا مذہب" (پروفیسر وحید الدین) نہایت اچھے مضامین ہیں۔ "اسلامی واقعات کی ایک منفرد ترتیب" (ڈاکٹر محمد اجمل نیازی) کے عنوان کے تحت منشی محمد دین فوق کی تین کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ہے — (۱) تاریخ حریتِ اسلام (۲) تاریخ کا روشن پہلو (۳) وجدانی نشتر۔

مشمولات المعارف نہ صرف اسلام یا اسلامی علوم کے متعلق ہیں بلکہ اکثر کی نوعیت تاریخی ہے۔ درجہ بدرجہ تحقیقی انداز بھی سب میں نمایاں ہے۔

اقبالیات | مدیر جناب پروفیسر محمد منور۔ ناشر: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۱۳۹ اے نیو مسلم ٹاؤن، لاہور۔

قیمت فی شمارہ -/۲۰ روپے۔ زرِ سالانہ (۴ شمارے) -/۶۰ روپے۔ (الحمدللہ) طباعت کی مصیبت سے محفوظ۔ سفید کاغذ، خوشنما سادہ دبیز سرورق

یہ دراصل اقبال ریویو کا اردو والا سلسلہ ہے۔ علامہ کی ۲۵ ویں برسی کے موقع پر جنوری مارچ ۱۹۸۸ء کا ضخیم شمارہ پیش کیا گیا ہے۔ ایسا بھاری بھرکم نمبر جس میں پاکستان، ترکی، سعودی عرب ایران اور امریکہ کے ممتاز اصحابِ فکر و کاوش نے نہایت اہم فلسفیانہ، صوفیانہ، متکلمانہ، قانونی اور تاریخی مباحث کی روشنی میں اقبال کے طرزِ فکر کے جلی و خفی گوشوں کو نمایاں کیا ہے۔ اس پر ہم اپنے

اجمالی اسلوب تبصرہ کو کتنا بھی پھیلائیں، حق ادا نہیں ہو سکتا۔ مختلف مقالات پر معرکہ آرا اور ولولہ انگیز بحثیں سامنے آتی ہیں۔ جن میں سے کئی مقامات پر کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ مگر "فلسفۂ اقبال کی حیات آموز ماہیت" (پروفیسر غلام رضا سعیدی) "اسلامی کونیاتی وجدان میں زمانِ حادث اور تصورِ لا متناہیت" (عبدالحمید کمالی) "ایرانی علم و ادب میں تصوف کا باہمی تعلق" (ڈاکٹر سید حسین نصر) یا "علامہ اقبال اور اصولِ حرکت" (پروفیسر محمد منور) وغیرہ پر بحثیں اوّل تو پڑھنے والے اور ہر مبصر کا امتحان ہیں اور پھر ان میں مداخلت کے معنی ایک متلاطم سمندر میں کود جانے کے ہیں۔ حالانکہ ہمارے اوراق میں ایسے بڑے سمندروں کے لیے جگہ کم ہے۔ ایسا ذخیرہ پیش کرنے پر ادارہ قابلِ مبارک باد ہے۔

آخری حصہ تبصرۂ کتب کا ہے۔ مختلف حضرات نے خوب خوب لکھا ہے۔ ڈاکٹر تحسین فراقی کی مشہور پہلی تنقیدی کتاب جستجو پر تبصرہ کا مطالعہ کرتے ہوئے تبصرہ نگار کے بعض اہم سوالوں سے مجھے دلچسپی محسوس ہوئی۔ مختصراً میں ان سوالات کا جواب یہ دوں گا کہ اسلامی ادب کسی خاص خاندان یا پارٹی یا قائم شدہ حکومت کی علمبرداری کا نام نہیں کہ جس کے لیے اشتراکی نظریہ سازوں کا انداز اختیار کرنا پڑے۔ اسلامی ادب کی بنیاد ایمان و ضمیر پر ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جو الحاد اور مادہ پرستی کے مقابلے میں خدا پرستانہ فکر اور اخلاقی اقدار کو ذہن میں جذب کرکے اپنے فن کی روح بنا سکتا ہو، وہ اسلامی ادیب ہے۔ اسی طرزِ فکر کے سانچے میں تنقیدی معیار از خود ڈھلے گا۔ دنیا میں کہیں بھی تخلیق کار کا محض اپنا ذہن بگٹٹ آزادی کے ساتھ اپنی سمتِ سفر معین نہیں کرتا۔ مثلاً کیا آپ اپنی اصولی ریاست میں ادیب کو مخالفتِ پاکستان یا قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے حق میں گستاخانہ انداز اختیار کرنے کی اصولاً چھٹی دے سکتے ہیں۔ بس ایسی پابندیاں ہر نظریے اور تہذیب کے زیر اثر خود بخود پیدا ہو کر ذہنوں میں جگہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اور نظامِ فکر و احساس کا حصہ بن جاتی ہیں۔ یہ البتہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ مسلم ادیب کو اسلامی دین و تہذیب کی لائن تو سامنے رکھنی چاہیے، مگر کسی ڈکٹیٹر یا پارٹی ڈکٹیٹر شپ کو اپنے عہدہ و مفاد کے لیے کوئی لائن بنا کر ادیبوں پر ٹھونسنے کا حق نہیں ہے۔

کاش کہ یہ بحث اتنی بھی طویل نہ ہوتی، کجا کہ مزید تفصیل کا خیال بھی کیا جائے۔

بہرحال اقبالیات ایک ایسا اہم مجلہ ہے کہ جس کے ذریعے نہ صرف اقبال کی شخصیت اور فکر اور مستقبلِ مطلوب کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ وقت کے دانشوروں کی بحثوں اور نقطہ ہائے نظر کے چہرے اقبالیات کے آئینے میں منعکس ہوتے ہیں۔

خطوطِ رشید احمد صدیقی | مرتب: لطیف الزمان خاں - ناشر: مجلسِ ادبیاتِ مشرق، ۳۰ - ڈی ۹/۲۲ ناظم آباد کراچی ۱۸۰۰۰۷ - قیمت مجلد مع گرد پوش -/۷۰ روپے۔

خطوط کے مجموعے اپنے اندر ایک دلچسپی تو یہ رکھتے ہیں کہ مکتوب نگار کی شخصیت خطوط میں تکلف کے پردوں کا بوجھ کم کر کے نمودار ہوتی ہے اور اس طرز فکر اور اس کے کردار کے بعض ایسے گوشے نمایاں ہو جاتے ہیں جو معمول کی زندگی میں وضعِ احتیاط کی وجہ سے سامنے نہیں آتے۔ دوسری دلچسپی یہ ہوتی ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر ایک غیر حاضر مخاطب سے جب مکتوب نگار بے تکلفانہ گفتگو کرتا ہے تو "بے ساختہ" ادب کا ایک نیا انداز سامنے آتا ہے۔ اِن دلچسپیوں کے ساتھ میں نے اس مجموعۂ خطوط کو پڑھا۔ یہ خطوط چونکہ زیادہ تر گھر اور خاندان کے افراد کو لکھے گئے ہیں (بہ استثنائے چند) اور پروفیسر صدیقی مرحوم نے بڑی تاکیدی ہدایات زبانی اور تحریری دے رکھی تھیں کہ میرے ان پرائیویٹ خطوط کو ہرگز نہ شائع کیا جائے، لیکن محبانِ ادب ان مفید خطوط کو چھاپنے سے کہاں باز رہ سکتے تھے۔ ادب والوں کا اپنا ہی قانون و اخلاق ہوتا ہے، وہ رشید صاحب کا ادب اور ان کی وصیت کا لحاظ کرتے رہتے تو دنیا انشاءِ صدیقی کے اس مجموعہ کی افادیت سے محروم رہ جاتی۔

زبان کا ایک خاص معیار اور ادبی نگارش کا ایک خاص رنگ اس مجموعے میں ملے گا۔ پھر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پروفیسر رشید مرحوم اپنے گھر اور خاندان والوں سے کتنی محبت رکھتے تھے اور کس طرح ان کے بارے میں ہمہ وقت سوچتے رہتے تھے۔ ایک اور خوبی ان کے کردار کی بلندی کو نمایاں کرتی ہے کہ نہ صرف خود عزم و ہمت سے کام لیتے بلکہ اپنے برخورداروں لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی، کو حاصل شدہ نعمتوں کے شکر اور مصائب کا ہمت سے مقابلہ کرنے کی پُر زور

ترغیب دلاتے۔ ان کا مسلک یہ بھی تھا کہ دنیا کے سامنے اپنے دکھوں کی نمائش نہ کرتے پھرنا چاہیے۔ بلکہ آدمی دوسروں کی تواضع خوشی اور خدمت کے پھولوں سے کرے۔ رشید مرحوم بڑھاپے کی لازمی تنہائی سے بھی گذرے ہیں، اگرچہ ان کو محبت و توجہ کی فضا حاصل رہی۔ اس تنہائی کے احساس کی کہیں کہیں جھلک سامنے آتی ہے۔ پھر ایک جگہ لکھتے ہیں کہ سر کی چوٹی سے ایڑی تک طرح طرح بیماریاں مجھ سے چمٹی ہوئی ہیں۔

ایک خاص بات یہ کہ ایک دور ایسا بھی رہا کہ جب کہ مذہب اور خدا کے متعلق رشید احمد صدیقی کچھ سرابی سے تصورات رکھتے تھے۔ مگر بعد میں ایسی تبدیلی آئی کہ ہر کام خدا کے نام سے کرتے تھے۔ اس کی نعمتوں کا شکر لازم سمجھتے، اس سے مدد طلب کرتے اور صاف صاف کہتے کہ جو کچھ ہونا ہے وہ خدا کی مرضی سے ہوگا۔

ارمغانِ نیاز | مرتب: جعفر بلوچ۔ ناشر: دارالکتاب، کالج روڈ، لیہ۔ صفحات پونے دو سو قیمت مجلد مع گرد پوش -/۵۰ روپے

اُردو شاعری کا ایک اہم باب "زمیندار اسکول" بھی ہے جس نے مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے ادیبانہ و شاعرانہ فیضان سے بہت سے ایسے شاعر ابھار کر معیاریت کے مقام تک پہنچائے جن میں مہارتِ بدیہہ گوئی، غلامی کی مخالفت، مہاشہ تسلط کی سیاسی و اقتصادی زنجیروں کو توڑنے کا جذبہ، منکرینِ ختمِ نبوت کے طلسمِ باطل کو پاش پاش کرنے کا داعیہ، اور مسلمان نوجوانوں میں اسلامی جذبات بیدار کرنے کے خاص اوصاف نمایاں تھے۔ ان "آفتاب آثار" شعرا کی لمبی فہرست جعفر بلوچ نے "سرِ متن" کے آغاز میں دی ہے۔

اس صف میں جو حضرات بہت ہی زیادہ بلند مقام اور شہرت یافتہ ہیں اُن میں سے ایک راجہ محمد عبداللہ نیاز ہیں۔ جعفر بلوچ صاحب کے ہم احسان مند ہیں کہ اُنھوں نے نہ صرف خود ایک شاندار مقالہ لکھا (علاوہ تمہید کے) بلکہ بہت سے دوسرے فاضل حضرات کے مضامین فراہم کرکے "ارمغانِ نیاز" کے نام سے مجموعہ مرتب کر دیا۔ نیاز صاحب سے جعفر صاحب کے جو گہرے تعلقات تھے، ان کا

بھی تذکرہ آگیا ہے اور بہت اچھا کلام نیاز صاحب کا اس کتاب میں مختلف اصحاب نے بہم کیا ہے۔ یہ خدمت اس لحاظ سے بڑی قابلِ قدر ہے کہ ایک پاکیزہ طبیعت کے ماہرِ فن کی شخصیت اور شاعری کے متعلق جعفر صاحب نے ایک تصویر معاشرے کے سامنے رکھ کر ماضی کو حال کی محفل میں پیش کر دیا ہے۔

نیاز صاحب جیسے شعرا کے نام اور کام کو زندہ رہنا چاہیے۔

علامہ اقبالؒ اور سید مودودیؒ مؤلف: جناب وسیم احمد فاروقی ندوی۔ ناشر: حسنات اکیڈمی پرائیویٹ لمیٹڈ، منصورہ لاہور۔ صفحات تقریباً دوسو۔ دبیز آرٹ کارڈ کا رنگین سرورق۔ قیمت: ۲۷/- روپے۔

ابتدائی تصور یہ میرا ہی تھا کہ "تذکرۂ مودودیؒ" کے لیے اقبال اور مودودیؒ کے وسیع مبحث پر مختلف موضوعات کے تحت ایسے مضامین لکھوائے جائیں جن میں یہ دکھایا جائے کہ دونوں مفکرین نے دین، ایمان، نبوت، قادیانیت، فقہ، قانون، اجتہاد، اسلامی ریاست، مغربی تہذیب، یہود و نصاریٰ، سرمایہ داری، سود، اشتراکیت، لادین جمہوریت، ہندو امپیریلزم، کانگرس اور اس کی متحدہ وطنی قومیت، کشمیر، حرمین، جہاد، آزادی، تعلیم، شاعری، ادب، خودی، اُمید، عزم، یقین، صبر، علم، زندگی، موت، تاریخ، بادشاہت، آمریت اور دوسرے بے شمار موضوعات پر ایک ہی جیسے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ہمارا پروگرام تو متعلقہ دوست نبھا نہ سکے، لیکن چند متفرق تحریریں اسی مدعا کی آتی رہیں۔ انہی میں یہ کتاب بھی شامل ہے۔

فاروقی صاحب نے بڑی محنت کر کے ایک اچھا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ بلکہ اقبال اور مودودی کی ہم آہنگی کو مختلف موضوعات کے تحت بڑی خوبی سے دکھایا۔ وہ اقبال کے اشعار دیتے ہیں، ان کے سامنے مولانا کا نثرپارہ، اور کہیں کہیں خود بھی وضاحتِ مدعا کرتے ہیں۔ مؤلف اور ناشر دونوں فریقوں کو میں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مزید کام ہونا چاہیے۔

ہمارے ہاں تعصب کا روگ ایسا پھیلا ہوا ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی شخصیت کا بت سینے سے

لگائے ہوئے ہے - اور اس امر کو توہین سمجھتا ہے کہ اس کا سا نقطۂ نظر یا علم یا لمعانیٔ دین کو واضح کرنے والا مؤثر طرز اظہار کسی اور میں پایا جائے - حالانکہ ایک ہی طرزِ فکر کی شخصیتوں کو جمع کرنا اور ان کے افکار کا گلدستہ بنا کر سامنے لانا ملت کے لیے زیادہ باعث تقویت ہے - ڈھونڈ ڈھونڈ کر ذرا ذرا سے اختلافات نکالنا اور پھر ہم فکر و ہم مقصد شخصیتوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر دینا دینی لحاظ سے تو کجا، علمی و تحقیقی لحاظ سے بھی غلط ہے -

اس رائج العام غلط رجحان کا توڑ کرنے میں یہ کتاب ممد ہو گی -

خطباتِ حقانی حصہ اوّل | افادات مولانا عبدالقیوم حقانی - ناشر: مؤتمر المصنفین، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک ضلع پشاور - سوا دو سو صفحات، آرٹ کارڈ کا رنگین ٹائیٹل - قیمت ۱۸/ روپے ملنے کے پتوں میں سے ایک: مکتبہ صدیقیہ - اکوڑہ خٹک -

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے پیش لفظ، مولانا انوارالحق صاحب کے تاثرات، قاری محمد رمضان مرتب کی "عرض" اور فاضل مؤلف کے اعترافِ حقیقت کے ساتھ یہ کتاب چند خطبات و تقاریر کا مجموعہ ہے - ان خطبات میں دعوت و تبلیغ، ذاتِ باری تعالیٰ، سرمایہ داری اور اشتراکیت، جہاد افغانستان اور افغانوں پر کمیونسٹوں کے بے پناہ مظالم کے علاوہ متعدد مزید عنوانات پہ اظہارِ خیال کیا گیا ہے - اس کتاب کا مطالعہ سادہ انداز میں کئی دینی حقائق کو سمجھنے میں مدد دے گا -

---

اُردو ڈائجسٹ
شہدائے بہاولپور نمبر | مدیر مسئول: جناب الطاف حسن قریشی - قیمت: ۱۵/ روپے سالانہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ۱۳۰/ روپے - پتہ: اُردو ڈائجسٹ - ۲۱ ایکڑ اسکیم، سمن آباد، لاہور ۲۵ پاکستان - صفحات ۲۶۰ سے زائد -

سنجیدہ اور باوقار ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ ان پستیوں سے مبرا ہے جو پاکستان کے اکثر ڈائجسٹوں میں ہیں اور جس کی وجہ سے لفظ ڈائجسٹ بدنام ہو گیا ہے - یہ رسالہ معلوماتی بھی ہے، سیاسی بھی،

انکشافاتی بھی، ادبی بھی اور مہر استحکامِ پاکستان اور اسلامی اقدار کا علمبردار بھی ہے۔

یہ نمبر ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۸ء شہدائے بہاول پور کے لیے خاص ہے۔ اس سانحہ کی تفاصیل بھی دی گئی ہیں۔ اور اس سے پہلے اور بعد کے سیاسی احوال پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

صدر ضیاء الحق شہید کے حق میں بھی اور ان کے خلاف بھی، بڑی انتہا پسندانہ باتیں کہی اور لکھی گئی ہیں، کہیں یہ انتہا پسندی مذہبی شدت کی بنا پر، کہیں کسی سیاسی ردِ عمل کے زیر اثر، کہیں ذاتی نفع و نقصان کے باعث اور کہیں ملی جلی وجوہ سے جن کے جمع ہو جانے پر انسان خود اپنی نفسیات کا تجزیہ بھی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی عدالت سے دوسروں کے بارے میں تو جو چاہے فیصلے سُناتا ہے، مگر اپنی عدالت میں کبھی اپنے آپ کو پیش نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی مجبوریوں اور ذمہ داریوں کو تو جائز سرمایۂ معذرت بنا سکتا ہے، لیکن جسے مدِ مقابل سمجھ لے اس کی مشکلات کا نہ اندازہ کر سکتا ہے، نہ ان کے مطابق رعایت دے سکتا ہے۔ وہ اپنے اُوپر شدت سے رحم کرتا ہے، مگر کسی معتوب کی رحم کی اپیل سرے سے بحث کے لیے بھی قبول نہیں ہو سکتی۔

کسی کی زبان سے سُنا اور کسی جگہ پڑھا بھی کہ چاہے کتنے بھی الزامات "شہید" پر لگائے جائیں اور کتنی ہی کمزوریاں اور غلطیاں نکال کے دکھائی جائیں، پاکستان کو اب تک اُس جیسا حکمران کوئی نہیں ملا۔ اور شاید آئندہ محرومی اور زیادہ ہو جائے۔ الطاف صاحب نے ضیا شہید کی تصویر پیش کرنے میں سچائی سے کام لیا ہے۔

پھر بات صرف ایک شہید کی نہیں، اس کے ساتھ جو اعلیٰ فوجی افسران شہید ہوئے ہیں ان کی دینداری اور ملک و قوم سے محبت اور خطرناک قوتوں میں گھرے ہونے کے باوجود ان کا جذبۂ جہاد، ان چیزوں کے جو تھوڑے سے بہت عکس اُردو ڈائجسٹ نے پیش کیے ہیں، وہ نہ صرف یہ کہ حیران کن ہیں، بلکہ ان کی وجہ سے صدمے کا احساس کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ آفریں ہے ان لوگوں پر جو ایسے بھاری سانحے کے غم انگیز بوجھ سے آزاد ہو کر ضیاء الحق شہید کے خلاف چارج شیٹیں سامنے لاتے ہیں۔

سانحہ اور ضیا شہید کے متعلق نظم و نثر تحریروں کے علاوہ کچھ دلچسپ مضامین ڈائجسٹ کے مستقل تشخص کے مطابق ہیں۔

تیسرا خواب | مصنف: محمد توقیر خاں ۔ ناشر: الاشراق، لاہور ۔ پتہ: پوسٹ بکس ۱۳۱، ۱۷، لاہور ۲۶
یک صد سے زائد صفحات، مجلد، قیمت درج نہیں ۔

تیسرا خواب کے نام سے جو چیز پیش کی گئی اس کی تعریف یہ درج ہے کہ "تیسری دنیا کے پس منظر میں سیاسی ناول" ۔ میں نے اسے پڑھتے ہوئے کئی وجوہ سے دلچسپ اور بعض پہلوؤں سے عجیب پایا ۔ کہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ واقعی یہ ناول ہے، کہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ سیاسی تحریر ہے، کہیں یہ لگتا ہے کہ مستقبل کے لیے ایک خواب ہے ۔ اور تیسرا خواب اسے اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ مغربی سرمایہ داری اور روسی سوشلزم دونوں کے زنانوں سے آزاد ہو کر ایک نئے جزیرہ حیات کی طرف پرواز ہے ۔ میری پہلی کتاب "ذہنی زلزلے" میں ایک عنوان تھا: "تیسری بھوک" میرے ایک پمفلٹ کا نام تھا "تراہا" اصل میں تیسری دنیا کا خیال اپنی دانست میں سب سے پہلے میں لے کے چلا تھا ۔ اب کئی اطراف سے صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے ۔ مدعا "مدح خود" نہیں ہے ۔ میں "تیسرا خواب" کے طرز فکر کی قدر کرنا چاہتا ہوں ۔ یہ ناول نہ ہوتے ہوئے بھی مجھے اچھی تحریر اس لیے لگی کہ یہ "ناول" کی جامد تعریف اور "ادب" کے مسلط شدہ آہنی معیارات سے ہٹ کر الگ راہ نکالنے کی کوشش ہے ۔ اس میں کئی جگہ خیالات بہت صراحت کی سطح پر آ گئے ہیں ۔ لیکن پھر بھی ایک نئے طریقے سے نیا کام کرنے کی داد دیتا ہوں ۔

عقل اور عشق | از جناب فضل باری ناظم مکتبہ تفہیم القرآن، عاصم ٹاؤن ۔ پی، او، ڈی ٹائپ کالونی فیصل آباد ۔ صفحات ۲۰۸ قیمت: ۱۸/ روپے ۔ ملنے کا پتہ: ملک سنز، کارخانہ بازار فیصل آباد ۔

یہ مختصر سی کتاب بڑی گہرائی رکھتی ہے اور عقل اور عشق کے اسرار کئی تہ بہ تہ پردوں سے گذر کر سامنے آتے ہیں ۔ اگر کافی وقت ہوتا تو میں اسے دو تین بار پڑھ کر اس کے مطالب کا خلاصہ عرض کر دیتا ۔ اب تو صرف یہی کر سکتا ہوں کہ مؤلف کے چند پر اثر جملے آپ کے سامنے رکھ دوں ۔

"دنیا کی لذتوں سے بے رغبتی اور بے پروائی اختیار کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے ۔ یہ لذتیں کام و دہن کی ہوں یا مال و زر کی تمنائیں ہوں یا عزت و شہرت کی آرزوئیں یا اختیار و اقتدار

کی اُمنگیں ہوں - ذاتی سر بلندی کی خواہشیں ہوں یا وطن و قوم کی بالا تری کی چاہت، ان سب سے اونچا ہونا چاہیے - دُنیا کا کوئی مفاد آخرت کے تقاضے سے غافل نہ کر سکے ...... رضائے الٰہی کے سوا دوسرے تمام محرکات سے اس کو پاک کر لیا جائے - کوشش و جہد اور سعی میں صرف رضائے الٰہی اور آخرت کی باز پرس کا احساس ہی سامنے رہے"

(ص ۱۹۳-۱۹۴)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بائیبل کی نظر میں از ڈاکٹر احمد دیدات - ترجمہ: میجر عنایت اللہ -

ناشر: پروفیسر مسز عنایت اللہ - پرنسپل گورنمنٹ گرلز کالج، چونیاں ضلع قصور - قیمت نامعلوم -

یہ بڑا معلومات افزا اور ایمان پرور پمفلٹ ہے - اس میں ڈاکٹر احمد دیدات نے بائیبل کے عمیق مطالعے اور مناظرانہ مہارت کے بل پر بائیبل کی درج ذیل پیش گوئی کا صحیح مصداق حضور محمد مصطفےٰ کو ایک پادری وان ہیروڈن (VAN HEERDEN) سے مکالمہ کے دوران میں ٹرانسوال میں ثابت کر دیا - پیشگوئی:

"میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری (موسیٰؑ) مانند ایک نبی برپا کروں گا - اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا، وہی وہ ان سے کہے گا" (استثنا - ۱۸-۱۸)

جی - ایم سیّد محمد موسیٰ بھٹو - ناشر: سندھ نیشنل اکیڈیمی - پوسٹ بکس نمبر ۲۵۸ - حیدر آباد - صفحات: ۱۱۹ - قیمت ۱۰/- روپے

پاکستان میں جن عزائم، مقاصد اور وعدوں کے ساتھ بنایا گیا تھا، اُن سے انحراف کی سزا ہمیں دینے کے لیے ہمارے اندر بعض ایسی شخصیتیں پیدا کر دی گئی ہیں کہ جن کے باطل نظریات نے قوم کو پھاڑ کر خون خرابہ مچا دیا ہے - ان میں سے ایک نمایاں مقام جی ایم سیّد کا ہے - یہ شخص کہتا ہے کہ قرآن کے ہر لفظ پر زور دینا غلط ہے - خلافت کو ظالمانہ کردار ادا کرنے والی بدعت کہا - قرونِ اولیٰ کے جہاد کو ڈاکہ زنی اور عرب سامراج قائم کرنے کی تحریک قرار دیا ہے - کعبہ کو شوِ مہاراج کا مندر قرار دیا ہے، جہاں

لِنگم پوجا ہوتی تھی۔ کہا ہے کہ حجرِ اسود (لنگم) کے لیے قربانی کی جاتی ہے۔ ہمارا مقصد پاکستان کو ختم کر کے سندھو دیش بنانا ہے۔ اِس سلسلے میں محمد موسیٰ بھٹو نے تفصیلات دی ہیں۔

آج جب پانی سر سے گذر چکا ہے تو لوگ مضطرب ہوتے ہیں، مگر پچھلے ۴۱ سال میں کسی حکمران اور دانشور کو اس کے سدِ باب کا خیال نہ آیا اور نہ آج کوئی صحیح تدبیر عمل میں لائی جا رہی ہے۔

ماہنامہ آموزگار | مدیر: اکبر رحمانی - پتہ: کاشانہ سہیل، بھوانی پیٹھ، جلگاؤں ۴۲۵۰۰۱

قیمت فی شمارہ ۳/- روپے۔ سالانہ ۳۵/- روپے۔ بیرونی ممالک سے ۱۰۰/- روپے۔

اس رسالے کا پہلے بھی ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔ ہندوستان کے مشکل حالات میں یہ رسالہ نظامِ تعلیم، مسائلِ تعلیم، نصاب اور درسیات کے متعلق نہایت مفید مضامین اور تنقیدیں شائع کرتا ہے، جو اساتذہ کے لیے خاص طور پر مفید ہیں۔

شیعہ حضرات کی اسلام سے بغاوت | تحریر: قاری اظہر ندیم - افادات: شیرِ اسلام مولانا حق نواز جھنگوی - ناشر: سپاہ صحابہؓ، پاکستان - قیمت ۳/- روپے - ملنے کا پتہ: عمران اکیڈمی، ۴۵ بی اُردو بازار، لاہور۔

اس پمفلٹ میں شیعی کتب کے حوالوں سے دکھایا گیا ہے کہ اسلام، رسول، صحابہ، خلفائے راشدین ازواجِ مطہرات، کلمہ، نماز، متعہ، تقیہ وغیرہ کے متعلق کیسی کیسی سمت اور کج باتیں لکھی گئی ہیں۔

اسلام کا نظامِ اخلاق | از محمد اکرم قریشی - ایم اے - ناشر: احیائے دین لائبریری، سیالکوٹ۔

بلاقیمت پمفلٹوں کے اس طویل سلسلے کا تازہ نقش ہمارے سامنے ہے۔ اس میں دین کی تعلیم بھی ہے اور اخلاقی اصلاح کی تلقین بھی۔

قرآن غیروں کی نظر میں | پیش کش: وامی (ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ) ریاض - مترجم: میجر عنایت اللہ ریٹائرڈ - بلاقیمت پتہ ذیل سے حاصل کریں۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج برائے خواتین - چونیاں ضلع قصور۔

اِس پمفلٹ میں چند نامور غیر مسلموں کی اچھی آراء قرآن کے متعلق جمع کی گئی ہیں۔ بعض لوگوں کی رائے میں قرآن اپنے منکرین کی ستائش سے بے نیاز ہے۔

پاکستان میں غلبۂ دین کی جدوجہد | ڈاکٹر محمد امین صاحب نے اس مقالہ میں بحث کی ہے کہ غلبۂ دین کی جدوجہد میں ناکامی کے اسباب کیا ہیں اور صحیح راہ عمل کیا، مرکز اسلامی، نشاۃ ثانیہ۔ ۵۹ ۔ ڈی، فیروز پور روڈ لاہور سے حاصل کریں۔

نہایت ضروری وضاحت

ہمارے پچھلے شماروں میں دو ایک مضامین قرآنی مباحث سے متعلق ایسے شائع ہوئے ہیں جو فی نفسہ درست بھی ہیں اور تحقیقی انداز بھی رکھتے ہیں۔ لیکن بعض کرم فرما رفقاء نے توجہ دلائی ہے کہ اختلاف کرنے والے بعض افراد اور گروہوں پر براہ راست زد پڑتی ہے۔ ہم اس سے بچنا چاہتے ہیں کہ دوسرے فقہی، کلامی اور تفسیری گروہوں سے ہماری کوئی بحثا بحثی چلے۔ اب تک کی کسی عبارت یا اسلوب یا اشارے سے کسی صاحب کو یا کسی گروہ کو تکلیف پہنچی ہو تو ہم معذرت خواہ ہیں۔ دینی مباحث میں ہمارا راستہ کسی بھی موضوع پر بالعموم مثبت طریقے سے گفتگو کرنے کا ہے، کسی دوسرے کو ہدف بنانے کا نہیں ہے۔ مضامین آئندہ بھی آتے رہیں گے، مگر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے ہمیں افراد اور گروہوں سے تعرض کرنا مطلوب نہیں ہے۔

(ادارہ)

اعتذار

پچھلے شمارے (اکتوبر) میں کام کی بھیڑ زیادہ تھی۔ کاپیاں زیادہ تر مجھے جلد جلد دیکھنی پڑیں اس وجہ سے اغلاط زیادہ رہ گئیں۔ اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ (ن۔ص)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰